Web Site
www.Muhaddis.net

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدث

جنوری ۲۰۰۲ء

- جہادی تنظیمیں، دینی مدارس اور حکومتی پالیسی
- دینی مدارس اور بنیاد پرستی
- انتظاماتِ حج میں اصلاح
- **شرک** اور اس کی مختلف مروّجہ صورتیں

مجلس التحقیق الاسلامی

اہم اعلان

معزز قارئین کرام! کتاب وسنت ڈاٹ کام پر آن لائن مطالعہ اور ڈاؤن لوڈنگ کے لیے مہیا کیے جانے والے تمام یونی کوڈ رسائل وجرائد چونکہ سوفٹ ویئر کی مدد سے ان پیج سے یونی کوڈ میں تبدیل کیے جاتے ہیں لہذا ان میں اغلاط کا امکان بہرحال موجود ہے۔ یونی کوڈ فارمیٹ میں مہیا کرنے کا بنیادی مقصد سرچنگ میں سہولت پیدا کرنا ہے۔ لہذا آپ سے التماس ہے کہ برائے مہربانی غلطیوں سے محفوظ مواد کے حصول کے لیے پی ڈی ایف (PDF) فارمیٹ میں موجود فائلز کو ڈاؤن لوڈ کیجیے۔ نیز نوٹ فرمالیں کہ پی ڈی ایف (PDF) اور (Word) فائلز میں کسی بھی قسم کے اختلاف کی صورت میں ہمارے نزدیک (PDF) فائلز کو ترجیح ہوگی۔

گھر بیٹھے محدث وصول کیجئے

معزز قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں:

فی شمارہ: 20 روپے　　زرسالانہ: 200 روپے　　بیرون ملک: 20 ڈالر سالانہ

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ 200 روپے بھیج کر سال بھر کے لیے گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں

ایڈریس: ماہنامہ محدث 99 جے بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700

فون نمبرز: 042-5866476,5866396,0321-4340803

نوٹ: برائے مہربانی ویب سائٹ کے ذریعے محدث آرڈر کرنے والے احباب ویب سائٹ کا حوالہ ضرور لکھیں۔ شکریہ

مزید تفصیلات کے لیے webmaster@KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.Mohaddis.com

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

مُحدِّث

لاہور

حافظ عبدالرحمٰن مدنی
مدیر اعلیٰ

حافظ حسن مدنی
مدیر

فہرست مضامین

فکر و نظر

جہادی تنظیمیں، دینی مدارس اور حکومتی پالیسی — اداریہ — ۲

ایمان وعقائد

شرک اور اس کی مختلف مروّجہ صورتیں — مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ — ۱۲

دار الإفتاء

حضرت ایوبؑ کی بیماری، گنا کی CPR کی فروخت — حافظ ثناء اللہ مدنی — ۳۹

اسلام اور مغرب

دینی مدارس اور **بنیاد پرستی** — مولانا زاہد الراشدی — ۴۴

نئی نسل پر رحم کی فریاد II — شیخ علی طنطاویؒ — ۶۴

تہذیبِ مغرب

ابلاغی حیوان، حیوانی ابلاغ اور **طالبان** — محمد عطاء اللہ صدیقی — ۵۷

اصلاحِ احوال

حج کے حکومتی انتظامات میں اصلاح کی تجاویز — پروفیسر مزمل احسن شیخ — ۶۸

جلد ۳۴ / شمارہ ۱
ذي القعدة ۱۴۲۲ھ
جنوری ۲۰۰۲ء

زرسالانہ ۲۰۰/روپے
فی شمارہ ۲۰/روپے

بیرونِ ممالک
زرسالانہ ۲۰/ڈالر
فی شمارہ ۲/ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
Ph: 5866476, 5866396, 5839404
Email: hhasan@wol.net.pk

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madani
Printer: Shirkat Printing Press, Lahore

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر ونظر

جہادی تنظیمیں، دینی مدارس اور حکومتی پالیسی

یوں تو گذشتہ کئی برسوں سے یہود و ہنود کی ایجنٹ این جی اوز پاکستان کے دینی مدارس کے خلاف منفی پراپیگنڈہ کی مہم برپا کئے ہوئے ہیں مگر جنگِ افغانستان میں طالبان کی عسکری شکست کے بعد سیکولر طبقہ ایک نئے جوش ولولہ کے ساتھ دینی مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی میں مصروف ہے۔ سب سے افسوس ناک امر یہ ہے کہ امریکی ایجنڈے کی تکمیل میں دینی مدارس پر انتہا پسندوں کی آماجگاہیں اور 'دہشت گردوں کی نرسریاں' جیسے بے ہودہ الزامات کی تکرار کی جارہی ہے۔ کبھی صدرِ مملکت جنرل پرویز مشرف پاکستان سے 'انتہا پسندی' کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے عزم کا اعلان کرتے ہیں تو کبھی سیکولرزم کو 'دین' کا درجہ دینے والے پاکستان کے وزیرداخلہ جناب معین الدین حیدر دینی مدارس سے فارغ التحصیل علماء اور دینی راہنماؤں کو 'چند قاعدے' پڑھنے والے جاہل افراد کا دل آزار طعنہ دیتے ہیں۔

انگریزی سیکولر پریس اپنے زہریلے مضامین کے ذریعے سیکولر حکومت کو دینی مدارس کے خلاف انتہائی اقدام اٹھانے کے لئے بے حد اشتعال انگیز مہم برپا کئے ہوئے ہے۔ سیکولر صحافی اپنے مضامین میں جنرل پرویز مشرف کو اُکسا رہے ہیں کہ دینی مدارس کے خلاف بھرپور اقدام اُٹھانے کا اس سے زیادہ مناسب موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا کیونکہ طالبان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد پاکستان کا دینی طبقہ اس وقت سخت حزن و ملال اور مایوسی میں مبتلا ہے، وہ اس وقت حکومت کے خلاف تحریک چلانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

عید الفطر کے فوراً بعد جہادی تنظیموں اور دینی مدارس کے خلاف حکومتِ پاکستان کی جانب سے وسیع پیمانے پر 'کریک ڈاؤن' کا آغاز کردیا گیا ہے۔ لشکرِ طیبہ کے امیر حافظ محمد سعید اور جیش محمد کے سالار مولانا اظہر مسعود کے علاوہ جہادی تنظیموں سے وابستہ سینکڑوں افراد کو حراست میں لیا جاچکا ہے۔ جہادی تنظیموں کے ملک بھر میں پھیلے ہوئے نیٹ ورک کو تباہ کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر پکڑ دھکڑ کا بازار گرم نظر آتا ہے، ان کے دفاتر کو جبراً بند کرایا جارہا ہے۔ امریکی ہدایات کی تعمیل میں لشکرِ طیبہ اور جیش محمد کے اکاؤنٹس منجمد کردیئے گئے ہیں۔ اس سے پہلے 'الرشید ٹرسٹ' اور 'الخیر فاؤنڈیشن' جیسے بے ضرر فلاحی اداروں کے اکاؤنٹس بھی منجمد کئے جاچکے ہیں۔ دینی مدارس میں سرکاری کارندے پڑتال کے بہانے گھس کر خوف

www.KitaboSunnat.com

وہراس پھیلا رہے ہیں۔

اسلامی ریاست پاکستان کا ازلی دشمن بھارت اپنی فوجوں کا جم غفیر پاکستانی سرحدوں پر لے آیا ہے۔ بھارتی وزیراعظم واجپائی، وزیر دفاع جارج فرنانڈس، وزیر داخلہ لال کشن ایڈوانی اور دیگر بھارتی راہنما پاکستان کے خلاف جارحیت کی کھلم کھلا دھمکیاں دے رہے ہیں۔۱۳/دسمبر ۲۰۰۱ء کو بھارتی پارلیمنٹ پر 'را' کی طرف سے تیارکردہ سازش (مصنوعی حملہ) کی آڑ میں پاکستان پر کشمیر سے دستبردار ہونے کے لئے دباؤ ڈالا جارہا ہے۔امریکہ نے افغانستان پر ۷/اکتوبر کو فوجی یلغار سے پہلے طالبان سے اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے راہنماؤں کی حوالگی کا جس انداز میں مطالبہ کیا تھا، بالکل اُسی اسلوب میں بھارت پاکستان سے جہادی تنظیموں کے سربراہوں کی حوالگی کا مطالبہ کررہا ہے۔اس توہین آمیز مطالبہ کی عدمِ تعمیل کی صورت میں پاکستان کو سنگین ترین نتائج کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔

حکومتِ پاکستان کی جانب سے بزدل بھارتی دشمن کی اس شرانگیزی کا مؤثر اور جرأت مندانہ جواب دینے کی بجائے بے حد حوصلہ شکن اور معذرت خواہانہ انداز اپنایا جارہا ہے۔ پاکستان پر بھارت کے ممکنہ جارحانہ حملے کے امکانات کو اپنے تئیں کم کرنے کے لئے حکومتِ پاکستان کی طرف سے جہادی تنظیموں اور دینی مدارس کے خلاف کارروائیوں میں اضافہ کردیا گیا ہے۔مغربی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ پاکستانی پریس کا سیکولر حصہ بھی دینی مدارس اور جہادی تنظیموں کا ذکر اس انداز میں کررہا ہے کہ گویا ان مدارس میں قرآن وسنت کی تعلیمات دینے کی بجائے دہشت گردی کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ان ناگفتہ بہ حالات میں پاکستان میں دین پسند طبقات میں مایوسی، غیر یقینی صورتحال اور پریشانی کا پیدا ہونا ایک منطقی امر ہے۔ مذکورہ بالا غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل کی وجہ سے پاکستان میں دینی مدارس کے مستقبل کے متعلق بھی خدشات کا اظہار کیا جارہا ہے۔

مشرف حکومت اور دینی مدارس کے درمیان بداعتمادی کی فضا پیدا کرنے میں جہاں جنگِ افغانستان میں امریکہ سے تعاون کی حکومتی پالیسی نے کردار ادا کیا ہے، وہاں بعض حکومتی وزراء کے اشتعال انگیز بیانات نے بھی حالات کو بگاڑنے میں کچھ کم کردار ادا نہیں کیا۔ان میں وزیر داخلہ جناب معین الدین حیدر کا نام سرفہرست ہے۔موصوف طالبان کا غصہ بھی دینی مدارس پر نکالنا چاہتے ہیں۔۲۰/دسمبر ۲۰۰۱ء کو روزنامہ 'جنگ' کے زیر اہتمام 'دہشت گردی، عالم اسلام کو درپیش چیلنج' کے زیر عنوان ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے وزیر داخلہ نے کہا: ''ملکی باگ ڈور چند قاعدے پڑھنے والے جاہلوں کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے۔'' (جنگ، نوائے وقت: ۲۱/دسمبر ۲۰۰۱ء) اس سے چند روز پہلے وہ دینی راہنماؤں کے

www.KitaboSunnat.com

متعلق 'خوش گفتاری' کا مظاہرہ ان الفاظ میں کر چکے تھے: ''حکومت کسی سٹریٹ پاور سے نہیں ڈرتی۔ جوتا دکھانے والوں کے سر پر جوتے برسائیں گے۔ حکومت دین کی اشاعت کے لبادے میں منافرت پھیلانے والوں سے سختی کے ساتھ نمٹے گی۔'' (انصاف: ۱۰ر دسمبر ۲۰۰۱ء) موصوف نے یہ بیان دارالعلوم کورنگی کے موقع پر مفتی رفیع عثمانی، جسٹس تقی عثمانی اور دیگر علماءِ کرام سے گفتگو کے دوران دیا، گویا کہ ایک رسمی مروّت اور لحاظ کی جو توقع ایسے موقعوں پر کی جاتی ہے، وہ اس کو ملحوظِ خاطر رکھنے سے بھی قاصر رہے۔

اس وقت جبکہ بھارت نے مملکتِ پاکستان کی خود مختاری اور سلامتی کے لئے سنگین خطرات پیدا کردیے ہیں، حکومت اور دینی حلقوں کے درمیان حالیہ محاذ آرائی کسی بھی اعتبار سے قومی مفاد سے مطابقت نہیں رکھتی۔ غیر ذمہ دارانہ بیانات سے قومی یک جہتی کو تباہ کرنے کے علاوہ کوئی مقصد مطلب حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ شاید اسی بات کا احساس کرتے ہوئے ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۱ء کو صدر جنرل پرویز مشرف اور علماء کرام کے درمیان وزارت مذہبی اُمور نے ایک ملاقات کا اہتمام کرایا۔ اس ملاقات میں ۳۶ علماء اور جنرل پرویز مشرف کے ہمراہ تقریباً ایک درجن سرکاری اہل کار اور وزراء موجود تھے۔

جنرل پرویز مشرف نے اپنی تقریر کے آغاز میں کہا کہ میں ایک عرصہ سے خواہش رکھتا تھا کہ علماء سے ملاقات کروں لیکن موقع نہ مل سکا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں مختلف اُمور، حالاتِ حاضرہ اور حکومتی پالیسی کے متعلق اظہارِ خیال کیا۔ فرد و ملت کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے جنرل مشرف نے پاکستان کی قومی اور بین الاقوامی صورتحال کا تجزیہ پیش کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے حقوق اللہ کے بارے میں تنگ نظری اور حقوق العباد کے بارے میں بے اعتنائی کا شکوہ کیا۔ اس طرح قومی سطح پر مسلکی تعصب اور مذہبی دھڑے بندی کی صورتحال پر افسوس کا اظہار بھی کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان عالم اسلام کی واحد جوہری قوت ہے جس کی طرف پوری اسلامی دنیا کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔ اپنے خطاب میں جنرل پرویز مشرف نے دینی مدارس کے علمی اور رفاہی کردار کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ یہ برصغیر کے مثالی ویلفیئر (فلاحی) اِدارے ہیں جن میں لاکھوں طلباء اور اساتذہ بغیر کسی حکومتی سرپرستی کے دین وعلم پھیلا رہے ہیں لیکن دورِ حاضر میں انہیں اعلیٰ مقاصد کے لئے منظّم اور دین و دنیا کا جامع بنانے کی ضرورت ہے۔ ہم نیوکلیئر پاور ضرور ہیں لیکن یہاں بعض مدارس اور مساجد لوگوں میں منافرت پھیلاتے ہیں۔ انہوں نے بعض فرقہ وارانہ تنظیموں کا نام لیتے ہوئے بتایا کہ وہ دہشت گردی میں ملوث ہیں۔ انہوں نے علماء سے اپیل کی کہ وہ منافرت پھیلانے والوں کے خلاف حکومت سے تعاون کریں۔

جنرل پرویز مشرف نے دینی مدارس کے خلاف شائع ہونے والی خبروں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ

www.KitaboSunnat.com

اخبارات میں جو خبریں شائع ہوتی ہیں، وہ غلط ہیں۔ ہم مدارس میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرنا چاہتے۔ کریک ڈاؤن کی خبریں جھوٹا پراپیگنڈہ ہیں۔ انہوں نے کہا میں تو باہر کے دورے کے دوران بھی خود مدارس کی تعریف کرتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ یہ بہترین ویلفیئر ادارے ہیں، مفت میں قوم کے بچوں کو تعلیم دیتے ہیں، دس لاکھ بچوں کی کفالت کرتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ جس طرح دوسری تعلیم کے فضلا ہر سطح پر ملازمت کرتے ہیں، اسی طرح دینی مدارس کے فضلا کو بھی ملازمت کے مواقع حاصل ہوں۔ نئے آرڈیننس کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم نے 'مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈیننس' نافذ کیا ہے، اس کے تحت ماڈل دینی مدارس قائم کئے جائیں گے۔ جو لوگ چاہیں، اس سے منسلک ہوجائیں اور جو چاہیں آزادانہ طور پر کام کریں۔ جنرل (ریٹائرڈ) معین الدین حیدر کے بیانات کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حکومتی پالیسی یہ نہیں ہے۔ انہوں نے جنگِ افغانستان کے متعلق حکومتی پالیسی کا دفاع بھی کیا۔

جنرل پرویز مشرف کے اس تفصیلی خطاب کے بعد چند علماء نے اظہارِ خیال بھی کیا۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ کے مدیر اور محدث کے مدیر اعلیٰ حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے جنرل پرویز مشرف کے خیالات کو عمل سے قطع نظر تجریدی طور پر سراہا اور کہا کہ ان عالی خیالات کے باوصف ہمیں اپنے ملی کردار کا تنقیدی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں پاکستانیوں کا انفرادی کردار اچھا تو نہیں لیکن باقی اسلامی دنیا کے مقابلے میں ان کا اسلامی جذبہ ہمیشہ قابل قدر رہا ہے۔ اسی طرح سیکولر حلقے جن مسلکی اور فرقہ وارانہ اختلافات کو اُچھالتے رہتے ہیں، وہ مسجد کی حد تک محدود ہیں۔ جہاں تک معاشرے کی اسلامی تعمیر اور ملک میں نفاذِ شریعت کا تعلق ہے، اس میں تمام مسالک اور فرقے ہم آواز ہیں۔ اس لئے ملک میں نفاذِ شریعت کے مسئلہ میں دینی حلقوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا حکومت کے ذمہ داروں کو نفاذِ شریعت کے سلسلے میں سیکولر حلقوں کے منفی پراپیگنڈہ کو زیادہ وقعت نہیں دینی چاہئے۔

انہوں نے کہا کہ موجودہ حالات میں پاکستان کا عالمی کردار ہماری ملی صورتحال کی کوئی اچھی تصویر کشی نہیں کرتا۔ میں نے گذشتہ دنوں بیرونِ پاکستان چند ممالک کا دورہ کیا ہے، جس میں مجھے اسلامی دنیا کے اہم ممالک کی پاکستان کے بارے میں تشویش کا شدید احساس ہوا۔ انہوں نے اپنے ذاتی مشاہدات کے حوالہ سے بتایا کہ قبل ازیں جس پاکستان کو اسلامی دنیا میں حرمین شریفین کا سا تقدس اور احترام حاصل تھا، اسلامی نیوکلیئر پاور ہونے کی بنا پر پاکستانی کو عالم اسلام کا محافظ سمجھا جاتا تھا مگر جس طرح ہم نے اپنے ہمسایہ مسلمان ملک افغانستان کی اہم حیثیت کو نظر انداز کرکے امریکی سپر پاور کے سامنے سپر اندازی کی

www.KitaboSunnat.com

ہے، اس سے اسلامی دنیا نہایت پریشان ہے کیونکہ پاکستان کے اس کردار کے بعد وہ پاکستان سے اپنے 'محافظ' ہونے کے بارے میں کوئی اچھی اُمید نہیں رکھ سکتے گویا پاکستان کی فوجی ہیبت ختم ہوکر اس کی کمزوری واضح ہوگئی ہے۔ جہاں تک امریکی سپر پاور کی مدد کرتے ہوئے پاکستان کا نام نہاد دہشت گردوں کے خلاف عالمی اتحاد میں شامل ہونے کا تعلق ہے، سیکولر قوتیں اسلامی دنیا کو یہی باور کرانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ یہ کفر اور اسلام کی جنگ نہیں ہے۔ چنانچہ کبھی اسامہ بن لادن کو دہشت گردی کا ہوا بنا کر اور اب پاکستان میں جہادی تنظیموں کو 'دہشت گرد' دکھا کر انہیں کچلنے کے نعرے بلند ہورہے ہیں، حالانکہ حقیقتاً یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے۔

مولانا مدنی نے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہا: چونکہ پاکستان پہلی مرتبہ اسلام دشمن قوتوں کی بلیک میلنگ میں آچکا ہے، اس لئے اس کا آئندہ کے لئے بلیک میلنگ سے بچنا بہت مشکل ہے۔ ایک طرف اگر یہ درست ہے کہ طالبان اور جہادی تنظیمیں پاکستان کی پروردہ ہیں تو دوسری طرف پاکستان ہی کے ہاتھوں ان کو تباہ کرنے اور کچلنے کے انتظامات کئے جارہے ہیں۔ انہوں نے خدشہ کا اظہار کیا کہ یہ سلسلہ یہاں نہیں رکے گا بلکہ آہستہ آہستہ تمام اسلامی ادارے اور تحریکیں اس کی زد میں آجائیں گی۔ اسلامی ملکوں میں سے بالخصوص وہ ملک پہلا نشانہ بنیں گے جنہوں نے طالبان کو تسلیم کیا تھا۔

انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ابھی ہمارا ازلی دشمن بھارت صرف ڈرا دھمکا کر اپنے ناجائز مطالبات منوا رہا ہے، لیکن بہت جلد وہ وقت بھی قریب آتا دکھائی دیتا ہے جب افغانستان کی طرح پاکستان کو تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ پھر درجہ بدرجہ دیگر اسلامی ملکوں کی باری آئے گی۔ مولانا مدنی نے کہا کہ ہمیں اللہ پر توکل کرتے ہوئے اُصولوں پر سٹینڈ لینا چاہئے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ ہماری اللہ ہی سے دعا ہے کہ وہ موجودہ فوجی حکومت کو اسلام کی حفاظت اور نیوکلیر پاور کے تحفظ کی توفیق دے۔

جنرل پرویز مشرف نے حافظ عبدالرحمٰن مدنی کی ان معروضات کو اطمینان سے سنا اور اپنی طرف سے ان اعتراضات کا تفصیلی جواب دیا۔ جنرل صاحب نے کہا کہ آئندہ سال دسمبر میں جب آپ کو پھر بلایا جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کا یہ تبصرہ اور خوف درست نہیں تھا بلکہ ہماری حکومت کا موجودہ موقف ہی درست ہے۔ انہوں نے علماء سے کہا: ''آپ مجھ پر اعتماد کریں۔''

حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے علاوہ شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک نے بھی جنرل پرویز مشرف سے حکومتی پالیسی بدلنے کی پرزور استدعا کی۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شریعت میں دہشت گردی یہ ہے کہ ایک ایسا شخص یا ملک جو بے گناہ ہو، اسے شرع اور قانون کی طرف

www.KitaboSunnat.com

سے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہو، اسے پامال کیا جائیا وجہ بیان کئے بغیر کوئی اس پر چڑھ دوڑے یا کوئی الزام لگا کر اسے قتل کردے، بے خبری میں یا باخبر کرکے ایسا کرے، یہ دہشت گردی کی حقیقتہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اس وقت جس دہشت گردی کا مسئلہ درپیش ہے وہ عالمی و ریاستی دہشت گردی ہے۔ عدل و انصاف کی بنیاد یہ ہے کہ بے گناہ کو تحفظ حاصل ہو اور مجرم کو جرم کی سزا ملے۔ محض الزام لگا کر بلاثبوت کسی پر حملہ کرنا، اس کے امن کو ختم کرنا دہشت گردی ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکی دہشت گردی کے خلاف 'سٹینڈ' لینے کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ دہشت گردی کے خلاف 'سٹینڈ' نہ لیا جائے تو پھر ظلم کا دور دورہ ہوگا۔

امریکہ نے واضح طور پر افغانستان پر بمباری کرکے دہشت گردی کی ہے۔ افغانستان میں چالیس ہزار بے گناہ مسلمان قتل کردیے گئے ہیں۔ ایک جنرل کے دور میں روس سے افغانستان نے تیس لاکھ شہدا کی قربانی دے کر آزادی حاصل کی تھی اور اس وقت امریکہ نے چالیس ہزار مسلمانوں کو شہید کرکے افغانستان پر تسلط جما لیا ہے۔ انہوں نے جنرل مشرف سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ آپ حکمت و تدبر کی بات کرتے ہیں، یہ آپ کا امتحان ہے۔ اگر آپ امریکہ کی دہشت گردی سے نجات کی کوئی راہ نکال سکیں تو یہ اقدام بہت اچھا ہوگا۔ توبہ سے بڑے سے بڑا گناہ معاف ہوسکتا ہے۔ مولانا عبدالمالک نے کہا کہ اس وقت آپ کی فوج مجاہدین کا گھیراؤ کر رہی ہے، انہیں تلاش کرکے گرفتار کررہی ہے۔ مجاہدین نے کوئی جرم نہیں کیا، ملک و ملت کی خدمت کی ہے، ملا عمر اور اسامہ دہشت گرد نہیں ہیں۔ آپ مجاہدین کا گھیراؤ نہ کریں اور دینی جماعتوں سے کشمکش ختم کردیں۔

اس نشست میں مولانا محمد حنیف جالندھری، مفتی رفیع عثمانی، مولانا منیب الرحمٰن اور چند دیگر علماء نے بھی بات کی۔ چونکہ ان کا عمومی انداز حکومت کے ساتھ مصلحت کیشی اور تعاون کے اظہار پر مبنی تھا، اسی لئے اس کی تفصیلات عام سرکاری ملاقاتوں کی سی ہیں، البتہ موقع کی مناسبت سے جہاں تمام علما نے متفقہ طور پر حکومت کو بھارت کے خلاف ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا وہاں علما نے نئے آرڈیننس کے حوالہ سے چند تحفظات بھی پیش کئے جو مجلس کی حد تک قبول کرلئے گئے۔ علما نے جنرل پرویز مشرف سے معین الدین حیدر کے بیانات کا نوٹس لینے کی درخواست بھی کی جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ وہ بھلے آدمی ہیں، اگر آپ لوگوں کو ان سے شکایات ہیں تو انہیں سمجھایا جائے گا۔ علما پر جنرل مشرف صاحب کے خیالات و نظریات کا اس قدر خوشگوار اثر پڑا کہ انہوں نے وقتی طور پر حکومت کے خلاف کسی قسم کا احتجاجی پروگرام بھی ملتوی کردیا۔ اسی مجلس میں ایک عالم دین نے یہ انکشاف کرکے سب کو حیران کردیا کہ جنرل مشرف ایک مدرسہ کو چندہ بھی دیتے ہیں۔ طالبان کے حامی علما کی طرف سے اس وسعت ظرفی اور

www.KitaboSunnat.com

رواداری کا اظہار شاید جنرل مشرف کے لئے بھی حیرت کا باعث بنا ہو۔

مذکورہ بالا خوشگوار ملاقات کے باوجود عملی طور پر دینی حلقوں میں حکومتی پالیسی کے متعلق خدشات کا ابھی تک ازالہ نہیں کیا جاسکا۔ جہادی تنظیموں اور دینی مدارس کے خلاف حکومتی کارروائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اخبارات میں یہ خبر بھی شائع ہوئی ہے کہ حکومت نے پہلے مرحلہ کے طور پر تقریباً ۱۵۰/ دینی مدارس کو بند کرنے کے لئے فہرست مرتب کرلی ہے۔ یکم جنوری کے بعد تادمِ تحریر (۸/جنوری) شاید ہی کوئی دن ایسا گذرا ہو جب دینی تنظیموں کے دفاتر پر چھاپے اور ان کے سینکڑوں کارکنان کی گرفتاری کی خبریں شائع نہ ہوتی ہوں، مثلاً

۱) ''کراچی میں دینی مدارس اور جہادی تنظیموں کے دفاتر پر چھاپے، مزید ۱۰۰ گرفتار'' (تین کالمی سرخی، نوائے وقت: ۳/جنوری ۲۰۰۲ء)

۲) ''جہادی و مذہبی تنظیموں کے خلاف ملک گیر کریک ڈاؤن، سینکڑوں گرفتار، کراچی میں مدرسوں کے دو خطیبوں سمیت ۲۴۵/افراد پکڑے گئے، اندرونِ سندھ ۳۰۰ گرفتار'' (نوائے وقت: ۵/جنوری ۲۰۰۲ء)

۳) ''پنجاب میں چھاپے، مذہبی تنظیموں کے درجنوں رہنما اور کارکن گرفتار'' (جنگ: ۴/جنوری ۲۰۰۲ء)

امریکہ صدر جارج ڈبلیو بش نے مذہبی تنظیموں کے خلاف حکومت کے 'کریک ڈاؤن' پر جنرل پرویز مشرف صاحب کو خصوصاً شاباش دی ہے۔ بھارت نے بھی جہادی تنظیموں کے خلاف اس کارروائی کو 'مثبت قدم' قرار دیا ہے۔ بھارتی وزیر خارجہ جسونت سنگھ نے کہا

''پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر کو طلب کرکے مطلوب افراد کی فہرست دی گئی، عالمی برادری کو ثبوت دیے اور دباؤ بالآخر ثمر آور ثابت ہوا'' (نوائے وقت، یکم جنوری ۲۰۰۲ء)

اگرچہ پاکستانی حکومت کے ترجمان نے وضاحت کی ہے کہ حافظ محمد سعید اور دیگر جہادی تنظیموں کی گرفتاری دباؤ کا نتیجہ نہیں (نوائے وقت، یکم جنوری ۲۰۰۲ء) مگر عام پاکستانی ان اقدامات کو امریکہ اور بھارت کے مشترکہ دباؤ کا نتیجہ ہی قرار دیتا ہے۔ بھارت تو شروع ہی سے کشمیر میں جہادی سرگرمیوں کو 'سرحد پار دہشت گردی' قرار دیتا رہا ہے۔ ۱۱/ستمبر کے بعد تو بھارتی حکومت اور ذرائع ابلاغ نے 'جہادِ کشمیر' کو دہشت گردی قرار دینے کے لئے عالمی سطح پر بھرپور ابلاغی مہم شروع کردی۔ امریکہ اور برطانیہ نے بارہا بھارتی موقف کی تائید میں بھی بیانات دیئے ہیں۔ بیرونی ذرائع ابلاغ بھی ان گرفتاریوں کو امریکی دباؤ کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔

۱۱/ستمبر کے واقعات کے بعد امریکہ سے تعاون کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ 'کشمیر کاز' کا تحفظ

www.KitaboSunnat.com

بھی تھا۔ جنرل مشرف بار بار جہاد اور دہشت گردی کے درمیان واضح فرق ملحوظِ خاطر رکھنے کی ضرورت پر زور دے رہے تھے، مگر معلوم ہوتا ہے، امریکہ نے ان کا موقف تسلیم نہیں کیا۔ اب بھارت کو اس ضمن میں خاطر خواہ کامیابی ملی ہے۔ امریکہ سے اس قدر تعاون کے باوجود اگر پاکستان کو مسئلہ کشمیر کے متعلق اس طرح کے خطرات کا سامنا کرنا پڑا ہے تو آج حکومت کو ٹھنڈے دل سے اپنی پالیسی کے نتائج کا معروضی جائزہ لینا چاہئے۔ آخر پاکستان اپنے اُصولی موقف سے کہاں تک پیچھے ہٹتا چلا جائے گا؟ پاکستان میں جہادی تنظیموں کے خلاف 'کریک ڈاؤن' کا کیا بالواسطہ مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم جہادِ کشمیر کو ''سرحد پار دہشت گردی'' تسلیم کر چکے ہیں؟

اگر حکومت دینی مدارس کی ترقی کا کام دیانت داری سے کرنا چاہتی ہے، تو کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ مگر جس انداز میں اور جس موقع پر اس 'عظیم کارِ خیر' کا حکومت نے بیڑا اُٹھایا ہے، اس کی روشنی میں موجودہ حکومتی اقدامات کے بارے میں شکوک کا اُبھرنا ایک لازمی امر ہے۔ جناب وزیر داخلہ کا دینی مدارس کے بارے میں جب 'حسن ظن' ہی یہ ہے کہ وہاں 'چند قاعدے' پڑھائے جاتے ہیں، تو پھر وہ ان مدارس کے نصاب کے متعلق جس طرح کی اصلاح فرما سکتے ہیں، اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل نہیں ہے۔ دینی مدارس کے بارے میں ان کے 'مبلغ علم' کا جب یہ حال ہے، تو دیگر حکومتی ذمہ داران کا ذکر ہی فضول ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ اور سیکولر طبقہ دینی مدارس کے خلاف جو جو لغو اعتراضات وارد کرتا ہے، حکومت بلا چون و چرا ان کی صداقت پر ایمان لے آتی ہے۔ حکومت کے کارپردازان کی جانب سے ان اعتراضات کو صحیح سمجھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ خود سیکولر سوچ کے حامل ہیں۔ دینی مدارس کے متعلق حکومت کی غیر حقیقت پسندانہ پالیسی پر صرف دینی راہنما ہی معترض نہیں ہیں بلکہ رائے عامہ سے تعلق رکھنے والے سنجیدہ حلقے بھی اس بارے میں سخت ذہنی تحفظات کا شکار ہیں۔ موقر روزنامہ 'نوائے وقت' نے ۲۹/ دسمبر ۲۰۰۱ء کے اداریے میں حکومتی پالیسی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے تحریر کیا

> ''اگر حکومت سنجیدگی سے فرقہ واریت کا خاتمہ چاہتی ہے اور ان دینی مدارس کی کارکردگی مزید بہتر بنانے کی خواہش مند ہے، تو وہ انہیں قرارِ واقعی وسائل مہیا کرے مگر انہیں اپنے کنٹرول میں لانے اور ان کی حریتِ فکر پر قدغن لگانے سے گریز کرے۔ ان کے نصاب پر نظر ثانی جید علماءِ کرام اور ماہرین تعلیم کریں۔ دین سے ناواقف سرکاری گماشتوں کو اس کی اجازت نہ دی جائے۔
>
> یہ تخصص اور سپیشلائزیشن کے ادارے ہیں، انہیں کلرک سازی کا کام نہ سونپا جائے، جس طرح میڈیکل کالجوں میں زراعت اور کمپیوٹر سائنسز کی تعلیم نہیں دی جاتی اور انجینئرنگ یونیورسٹی میں درسِ نظامی کے مضامین پڑھانے کی تک نہیں، اسی طرح دینی مدارس میں دنیوی علوم بس اتنے ہی

www.KitaboSunnat.com

پڑھانے پر توجہ دی جائے جتنی میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں دینیات پڑھائی جاتی ہے تاکہ یہ ادارے یکسوئی سے جید، روشن خیال اور دینی علوم کے ماہر علماء کرام پیدا کرسکیں جو ان کی اصل ذمہ داری ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جو حال سرکاری شعبے میں تعلیمی اداروں اور جامعات کا ہے، دینی مدارس کا اس سے برا نہیں کیونکہ یہ ادارے تو چندے اور عطیات سے چلتے ہیں اور محدود وسائل میں جتنا کام کررہے ہیں، وہ قابل قدر ہے۔''

آخر میں ہماری گذارش ہے کہ اگر حکومت فی الواقع پاکستان سے دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے ذرا بھر بھی سنجیدہ ہے تو اسے اس افسوسناک مظہر کے حقیقی اسباب کا معروضی جائزہ لینا چاہئے، فرقہ وارانہ تشدد کا حقیقی سبب نہ تو دینی مدارس کا نصاب ہے اور نہ ہی یہ مدارس اس شیطانی کام میں شریک ہیں۔

ہمارے ہاں کے لادین دانشوروں نے درسِ نظامی کے حوالہ سے دینی مدارس کے نصاب پر تنقید کو فیشن اور شغل بنا رکھا ہے۔ ان میں سے شاید ہی کوئی ذاتِ شریف درسِ نظامی میں شامل ۵۰ سے زائد کتابوں میں سے دو چار کے نام گنوا سکیں۔ان سیکولر دانش بازوں کی اکثریت درسِ نظامی کے متعلق اتنا ہی علم رکھتی ہے جتنا کہ عام دینی مدارس کے طلبا آئن سٹائن کی تھیوری کے بارے میں جانتے ہیں۔مگر اس جہالت اور لاعلمی کے باوجود وہ دینی مدارس کے نصاب اور فرقہ وارانہ دہشت گردی کے درمیان ربط وتعلق پیدا کرتے ہوئے نہ کسی خوفِ خدا کا لحاظ رکھتے ہیں، نہ ہی مادّہ پرستانہ معاشروں کی وضع کردہ علمی دیانت کا انہیں پاس ہوتا ہے۔

جناب معین الدین حیدر اور دینی مدارس کے متعلق متعصّبانہ خیالات رکھنے والے سیکولر دانشور 'علماء کو چند قاعدے پڑھنے والے جاہل' کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے میں آزاد ہیں، مگر تعصب کے اس پراگندہ ماحول سے باہر نکل کر اگر معمولی سا غور وفکر کرنے کے لئے ان کی طبائع کبھی آمادہ ہوں، تو ہم ان کی اطلاع کے لئے بتانا چاہتے ہیں کہ درس نظامی میں ۱۸ مختلف علوم پر مبنی تقریباً ۵۰ کتب شامل ہیں، جن میں احادیث کی دس بنیادی کتب اور تفاسیر کی پانچ معرکۃ الآرا کتابیں بھی ہیں، محض گرامر کے علم صرف کے متعلق ۱۳ کتابیں اس نصاب کا حصہ ہیں۔ خالصتاً الہامی علوم کے علاوہ علم ہیئت وفلکیات اور فلسفہ پر بھی کافیکتابیں اس کا حصہ ہیں۔ پرانے درسِ نظامی میں اقلیدس (جیومیٹری) کی اہم اساسی جو ضخیم تصنیف شامل تھی، اس کو جدید یونیورسٹیوں کے ریاضی دان بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

جو لوگ دینی مدارس کے نصاب کو فرقہ وارانہ کشمکش میں اضافہ کا باعث سمجھتے ہیں، وہ بھی سخت غلط فہمی کا شکار ہیں۔انہیں شاید معلوم نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ درسِ نظامی کا بڑا حصہ صرف ونحو اور منطق وفلسفہ پر مشتمل ہے اور ان علوم کا درسِ نظامی میں شامل زیادہ تر ذخیرہ بالخصوص صرف نحو وفلسفہ کی کتب شیعہ مصنّفین

www.KitaboSunnat.com

کی تصنیف کردہ ہیں جنہیں 'سنی' بھی اسی شوق سے پڑھتے ہیں۔ درسِ نظامی کی تدوین ہوئے صدیاں گذر گئی ہیں، اگر اس نصاب کی بنیاد پر فرقہ وارانہ تصادم فروغ پاتا تو تاریخ اس کے متعلق کبھی خاموش نہ رہتی۔ کیا یہ ناقابل تردید حقیقت نہیں ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں شیعہ اور سنی مسلمان نہایت امن کے ماحول میں رہے ہیں۔ شیعہ اور سنی مسلمانوں کے بعض گروہوں کے درمیان موجودہ خون ریز تصادم، جن کا ذکر جنرل پرویز مشرف نے بھی تفصیل سے کیا، کی وجوہ داخلی نصاب اور تربیت ہرگز نہیں ہیں۔ بعض جذباتی تنظیموں کا رویہ درحقیقت نتیجہ ہے ماضی قریب کی خارجی سیاست اور بین الاقوامی کشمکش کا جو گذشتہ بیس پچیس برسوں کے دوران پروان چڑھی ہے۔ اربابِ بست وکشاد عالم اسلام میں برپا ہونے والی ان معروضی تبدیلیوں سے لاعلم نہیں ہیں۔ دینی مدارس کو دہشت گردی سے منسلک کرنے والے سیکولر دانشور اور حکومتی ذمہ داران نجانے ان حقائق کو نظر انداز کیوں کر دیتے ہیں؟

مزید برآں ملا نظام الدین نے چار سو سال پہلے جس درسِ نظامی کو ترتیب دیا تھا، اس کا منبع و مرکز وسط ایشیا کی ہند کی طرف گزرگاہیں افغانستان اور ایران کے علاقے تھے، جہاں فارسی کا رواج زیادہ تھا۔ پاکستان میں دینی مدارس میں پڑھایا جانے والا درسِ نظامی بہت حد تک پہلے ہی تبدیل کیا جاچکا ہے۔ اب سعودی عرب، عراق، شام ومصر کے مشہور جامعات کی متعدد کتابیں شامل کی جاچکی ہیں۔ امریکہ میں ۱۱/ ستمبر کے واقعات کے بعد اسلام دشمن یہودی لابی نے پراپیگنڈہ شروع کررکھا ہے کہ مذکورہ دہشت گردی کا اصل محرک قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں یہودیوں اور نصرانیوں سے مسلمانوں کو دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ وہ الزام تراشی کررہے ہیں کہ دینی مدارس اور مساجد میں قرآنی تعلیمات دہشت گردی کے جذبات کو فروغ دے رہی ہیں، وہ تو چاہتے ہیں کہ مسلمان قرآنِ مجید کو یکسر بھلا دیں۔ کچھ ایسا ہی انداز ہمارے سیکولر دانش وروں نے دینی مدارس کے نصاب کے متعلق اپنا رکھا ہے، وہ درحقیقت پاکستان میں دینی مدارس کی تباہی پر مبنی امریکی ایجنڈے پر عملدرآمد کے لئے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ ان شاء اللہ پاکستان کے اسلام پسند یہود ونصاریٰ کی اس ناپاک سازش کو ناکام بنادیں گے۔

ہم یہ مطالبہ کرنا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ حکومت دینی مدارس اور جہادی تنظیموں کے خلاف کارروائی محض امریکہ اور بھارت کے دباؤ کے نتیجے میں مت کرے۔ اب تک جس انداز میں 'کریک ڈاؤن' کیا گیا ہے، اس سے تو یہی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ جناب پرویز مشرف صاحب نے علماءِ کرام سے ملاقات کے دوران جو یقین دہانی کرائی تھی، اسے عملی جامہ بھی پہنایا جائے۔ حقیقتاً دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں اور افواجِ پاکستان نظریۂ پاکستان یعنی اسلام کی محافظ ہیں۔ یہ دونوں ادارے فطری حلیف ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی محاذ آرائی، خواہ وہ بیرونی دباؤ کا نتیجہ ہو یا کسی اور وجہ سے، ہمارے قومی اور ملی مفاد کے منافی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ایمان وعقائد

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

شرک اور اس کی مختلف مروّجہ صورتیں

یہی توحید تھی، جس کو نہ تو سمجھا، نہ میں سمجھا!

توحید

'توحید' کا لغوی معنی کسی چیز کو ایک بنانا اور اس کا شرعی مفہوم، اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات وصفات میں یکتا سمجھنا ہے۔ توحید کی ضد الإشراك بالله یعنی اللہ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو بھی حصہ دار سمجھنا ہے۔ 'الاشراک باللہ' کو مختصر الفاظ میں 'شرک' بھی کہا جاتا ہے۔ توحید کے اثبات سے شرک کا ردّ از خود ہوجاتا ہے۔ شرک کی جملہ اقسام سے اجتناب سے ہی عقیدۂ توحید میں پختگی اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔

قرآن میں توحید کا لفظ نہیں آیا مگر احادیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ امام بخاریؒ نے تو اپنی صحیح میں ایک مستقل کتاب کا نام ہی 'کتاب التوحید' رکھا ہے۔ قرآن مجید میں توحید کے بجائے اللہ کیلئے 'اَحد' اور 'واحد' کے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں یا پھر شرک اور اس کی معروف اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔

توحید کی اہمیت

اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ ان باتوں سے ہوتا ہے کہ

- ☆ تمام انبیائے کرام نے سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کا سبق دیا۔
- ☆ توحید ہی وہ نسخہ کیمیا ہے جس سے انبیا نے ایک بگڑی ہوئی قوم کی اِصلاح کا آغاز کیا۔
- ☆ توحید ہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جس کے اقرار پر کوئی شخص اسلام کے حصار میں داخل ہوتا ہے۔
- ☆ توحید ہی وہ اہم موضوع ہے جس کا ذکر صراحۃً یا اشارۃً قرآن کریم کے ہر صفحہ میں ملتا ہے۔ پھر اس کی تفصیلات احادیث میں بکثرت مذکور ہیں۔
- ☆ اسی موضوع پر علمائے حق اور مفکرین اسلام ہر دور میں زبان وقلم سے جہاد کرتے رہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔
- ☆ ساتھ ہی ساتھ یہ عقیدۂ توحید ہی ایسا نازک موضوع ہے کہ اس میں تھوڑی سی کمی بیشی سے انسان ایسا مشرک ٹھہرتا ہے جس کی نجاتِ اُخروی کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۴۸)

www.KitaboSunnat.com

''اللہ تعالیٰ یہ گناہ کبھی نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے علاوہ (اور گناہ) جس کو چاہے گا بخش دے گا۔''

انہی وجوہات کی بنا پر عقیدۂ توحید شیطان کا اصل ہدف ہے۔ وہ اس میں طرح طرح سے رخنہ اندازیاں کرکے خیالات کا رخ موڑتا اور ایک ہدایت یافتہ انسان کو پھر سے شرکیہ افعال میں مبتلا کردیتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انبیا کے رخصت ہونے کے بعد ان پر ایمان لانے والوں میں سے بھی اکثر لوگ مشرک ہی رہتے یا بن جاتے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ﴾ (یوسف:۱۰۶)

''اور ان میں سے اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے مگر اللہ کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔''

عقیدہ توحید میں پختگی سے نجاتِ اُخروی تو قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ثابت ہے۔یہ فائدہ مسلم، لیکن کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ اس عقیدۂ توحید کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ ایک مشرک کی زندگی اور ایک مؤحد کی زندگی میں کیا فرق ہوتا ہے؟ اس عقیدہ سے بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کیونکر ہوتی ہے۔نیز یہ عقیدہ عالمی قیامِ امن کے سلسلہ میں کیا کردار ادا کرتا ہے؟ یہ اور اس جیسے دوسرے سوالات کا جواب دینے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیں۔

شرک کی بنیاد توہم پرستی ہے!

انسان فطرتاً توہم پرست واقع ہوا ہے۔اور اس توہم پرستی کا ٹھیک ٹھیک علاج عقیدۂ توحید ہے۔ شیطان کا انسان کو گمراہ کرنے اور مشرک بنانے کا سب سے مؤثر حربہ یہ ہے کہ وہ انسان کی اس توہم پرستی کو ہوا دیتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔اسی توہم پرستی کی وجہ سے انسان خوفِ غیر اللہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے اپنے فائدہ کی توقعات وابستہ کرنے لگتا ہے۔بس یہی دو چیزیں یعنی دفع مضرت اور جلبِ منفعت یا نقصان اور تکلیف کا ڈر اور کسی بھلائی اور فائدہ کی توقع ہیں جو انسان کو شرک کی بے شمار قسم کی خار زار وادیوں میں کھینچ لاتی ہیں۔مثلاً مظاہر پرستی، کواکب پرستی، بت پرستی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، عقل پرستی، ذہن پرستی، اولیا پرستی، قبر پرستی، آبا پرستی، احبار پرستی، حتیٰ کہ خود پرستی سب شرک ہی کی شاخیں ہیں۔پھر یہ شاخیں اور کئی چھوٹی شاخوں میں تقسیم ہوجاتی ہیں۔ان سب شاخوں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو بالآخر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا جذبہ محرکہ یہی مذکورہ دونوں باتیں یا ان میں سے کوئی ایک ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

﴿قُلْ أَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَراً وَّلَا نَفْعًا﴾(المائدۃ:۷۶)

''(اے پیغمبرؐ) ان سے کہہ دو کہ تم ایسی چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہو جنہیں تمہارے نفع

www.KitaboSunnat.com

ونقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں۔''

اور مشرکین کی اس توہم پرستی کا عقلی اور مشاہداتی جواب یہ دیا کہ اللہ کے سوا باقی چیزیں جنہیں تم اپنا مددگار سمجھتے ہو وہ تو خود اپنے نفع ونقصان کی بھی مالک نہیں تو پھر وہ تمہارا کیا بگاڑ یا سنوار سکتی ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

﴿قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ (الرعد:١٦)

''(اے پیغمبرؐ!) ان سے کہہ دو کہ اللہ کے سوا جن کو تم نے اپنا مددگار بنا رکھا ہے، وہ تو اپنے بھی نفع ونقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔''

اس دنیا میں اگر کوئی سب سے بلند مقام ہستی ہوسکتی ہے تو وہ اللہ کا رسول ہی ہوسکتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ سے براہِ راست بھی تعلق ہوتا ہے اور جبریل کے واسطہ سے بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بلند ہستی بھی نہ اپنے نفع ونقصان کی خود مالک ہوتی ہے، نہ ہی کسی دوسرے کو کچھ فائدہ یا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ تو پھر دوسری چیزوں کا ذکر ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہؐ سے فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنِّىْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ (الجن:٢١)

''ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تمہارے حق میں نقصان یا بھلائی کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔''

توحید وشرک سے متعلق چند شرعی اصطلاحات

مناسب ہوگا کہ شرک کی مختلف اقسام بیان کرنے سے پیشتر ان چند الفاظ کا لغوی مفہوم بیان کردیا جائے جو شرک کے بیان میں تکرار سے آتے ہیں اور شرعی اصطلاح کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور وہ ہیں: عبد اور عبادت ...... دین...... ربّ...... الٰہ...... اللہ...... جبت ...... طاغوت...... حنیف

١۔ عبد: بمعنی بندہ، غلام، محکوم (عباد اور عبید) اور عبادت کا لفظ عموماً تین معنوں میں قرآن میں آیا ہے

(ا) بمعنی بندگی، غلامی اور محکومی ...... جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿فَقَالُوْا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ﴾ (المومنون:٤٧)

''فرعون کے درباری کہنے لگے: بھلا ہم ایسے دو آدمیوں (موسیٰؑ وہارونؑ) پر ایمان لائیں جن کی قوم ہماری غلام ہے۔''

اب یہ تو ظاہر ہے کہ آج تک شیطان کی کسی نے پوجا پاٹ نہیں کی، نہ ہی اسے کسی نے کبھی آقا سمجھا، لہٰذا یہاں مفہوم، شیطانی وساوس کی پیروی ہی ہوسکتی ہے۔

اور عَبَّدَ بمعنی کسی دوسرے کو محکوم اور غلام بنانا۔ موسیٰؑ نے فرعون کو مخاطب کرکے فرمایا:

﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِىْ إِسْرَائِيْلَ﴾ (الشعراء:٢٢)

''اور (کیا) یہی احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

(۲) بمعنی سر عجز و نیاز خم کرنا.....معروف معنوں میں پوجا پاٹ اور پرستش کے وہ طریقے جو مشہور ہیں۔(عبادت، جمع عبادات) خواہ یہ اللہ کی ہو یا کسی دوسرے کی۔جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿قَالُوْا أَنَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ﴾ (الشعراء:۷۱)

''ابراہیم کی قوم کہنے لگی کہ ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں اور ان (کی پوجا) پر قائم ہیں۔''

(۳) بمعنی محض اطاعت اور فرمانبرداری جیسے ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے فرمایا:

﴿يَاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ﴾ (مریم:۴۴)

''اے میرے والد! شیطان کی اطاعت نہ کیجئے۔''

۲۔ دین: دین کا لفظ چار معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ لغتِ اضداد سے بھی ہے۔

دین کا معنی (۱) مکمل حاکمیت بھی ہے اور (۲) مکمل عبودیت بھی۔ارشادِ باری ہے

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر:۳)

''غور سے سن لو کہ خالص عبادت صرف اللہ ہی کو زیبا ہے۔''

اس آیت میں دین کا لفظ دونوں معنوں میں آیا ہے جو آپس میں متضاد ہیں۔اس آیت کا اگر یوں ترجمہ کیا جائے کہ مکمل حاکمیت اللہ ہی کے لئے ہے،تو بھی مفہوم وہی نکلتا ہے یعنی اس کے بندے اس کی مکمل حاکمیت سمجھیں اور اس کی مکمل اطاعت وعبادت کریں۔

(۳) قانونِ جزا وسزا جیسے سورۂ یوسف میں فرمایا:

﴿مَاكَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ﴾ (یوسف:۷۶)

''شاہی قانون کے لحاظ سے یہ ناممکن تھا کہ یوسفؑ اپنے بھائی کو اپنے ہاں روک لیتے''

(۴) مکافاتِ عمل.....یعنی قانونِ جزا وسزا کے مطابق اس کا عملی نفاذ۔جیسے فرمایا:

﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (الفاتحہ:۴)

''(وہ اللہ) جزا وسزا کے دن (قیامت کے دن) کا مالک ہے۔''

درج ذیل آیت میں دین کا لفظ یہ دونوں مفہوم ادا کر رہا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَمَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ (الواقعہ:۸۶،۸۷)

''پھر اگر تم سچے ہو اور تم پر ہمارا قانونِ جزا وسزا لاگو نہیں ہوسکتا تو تم اس (مرنے والے کی روح کو) واپس پھیر کیوں نہیں لیتے۔''

گویا دین کا لفظ ایک مکمل نظام کی نمائندگی کرتا ہے اور مذکورہ بالا چار وں معانی اس کے اجزائے ترکیبی ہیں یعنی (۱) مکمل حاکمیت یا اقتدارِ اعلیٰ (۲) حاکمیت کے مقابلہ میں مکمل تسلیم و اطاعت (۳) وہ نظامِ فکر وعمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے اور (۴) وہ جزا وسزا جو حاکم اعلیٰ کی طرف سے اطاعت کے

www.KitaboSunnat.com

صلہ یا سرکشی کی پاداش میں دی جائے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۳۔ ربّ: کا لفظ چار معنوں میں آیا ہے:

(۱) ربّ (مصدر) بمعنی کسی کو پرورش کرکے حدِ کمال تک پہنچانا اور اس کی جملہ ضرورتوں کا خیال رکھنا (مفردات)۔ مگر یہ لفظ عموماً بطورِ اسم فاعل ہی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (الفاتحہ:۱)

''سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہانوں کا پرورش کنندہ ہے''

اس لحاظ سے الربّ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے اور اس لفظ کا مصدر ربوبیۃ آتا ہے۔ اور اس کی جمع نہیں آتی۔

(۲) یعنی آقا و مالک جو کسی کی تربیت کا ذمہ دار ہو۔ ان معنوں میں اس کا مصدر ربوبیۃ کے بجائے ربابیۃ آتا ہے۔ جمع أرباب (المفردات) قرآن میں ہے:

﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهُ خَمْرًا﴾ (یوسف:۴۱)

''(یوسف نے کہا) اے میرے جیل کے رفیقو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔''

(۳) بمعنی صرف مالک جسے اپنی مملوکہ چیز میں تصرف کا پورا پورا اختیار ہو۔ جیسے ربّ الناقۃ بمعنی اونٹنی کا مالک۔ ربّ ا لکعبۃ بمعنی بیت اللہ کا مالک ہے۔ اسی معنی میں یہ لفظ درج ذیل آیت میں مستعمل ہوا ہے: ﴿فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ﴾ (قریش:۳)

''تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں''

(۴) چوتھا معنیٰ 'قانون دہندہ' اس کی پوری تصریح ایک حدیث میں مذکور ہے۔ عدی بن حاتم جو پہلے عیسائی تھے، ۹ ہجری میں اسلام لائے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد جب سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی

﴿إِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوْا إِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ (التوبہ:۳۱)

''ان (عیسائیوں) نے اپنے علما اور مشائخ کو اللہ کے علاوہ اپنا ربّ بنا لیا اور مسیح ابن مریمؑ کو بھی حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔''

تو عدی بن حاتم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ لوگ (عیسائی) اپنے علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے، آپؐ نے فرمایا:

بلیٰ إنهم حرموا عليهم الحلال وأحلوا لهم الحرام فاتبعوهم فذلك عبادتهم إياهم (ترمذی، ابواب التفسیر)

''کیوں نہیں، وہ علماء و مشائخ ان کے لئے حلال کو حرام قرار دیتے اور حرام کو حلال۔ پھر وہ ان کی

www.KitaboSunnat.com

پیروی کرتے بس یہی چیز ان کی عبادت ہے۔''

اور یہ واضح ہے کہ حرام کو حلال کرنے اور حلال کو حرام کرنے کا مسئلہ خالصتاً تشریعی امور سے تعلق رکھتا ہے۔ تشریع اسلامی قانون کو کہا جاتا ہے۔

٤۔ الٰہ: اِلٰہ کا لفظ ہر معبود پر بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ معبود برحق ہو یا باطل۔ چنانچہ اللہ کے لئے بھی یہ لفظ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے اور دوسرے ہر طرح کے معبودانِ باطل کے لئے بھی۔ اور اہل عرب سورج کو اِلٰھَة کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ انہوں نے سورج کو معبود بنا رکھا تھا۔ (مفردات از امام راغب)۔ سورج عربی زبان میں بطورِ مؤنث استعمال ہوتا ہے اور اِلٰہ کی مونث اِلٰاھَة آتی ہے۔

اب اس لفظ اِلٰہ کی لغوی لحاظ سے خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) اَلِهَ اَلَهًا سرگشتہ شد (حیران ہوا)

(۲) اَلِهَ اِلَيْهِ ترسید و پناہ گرفت (اس سے ڈرا اور اس کی طرف پناہ پکڑی)

(۳) اَلَهَهٗ امان و زنہار داد (اس نے اسے امان اور حفاظت دی)

(۴) اَلِهَ اِلَاهَةً پرستید (اس کی پرستش کی) (منتہی الادب)

(۵) بعض کے نزدیک لفظ اِلٰہ دراصل وِلَاہٌ تھا، ہمزہ کو واوٗ سے بدل کر اِلٰہٌ بنا لیا اور وَلِہَ بمعنی عشق و محبت میں وارفتہ اور بے خود ہونا (اردو زبان میں لفظ والہانہ محبت مشہور ہے)۔ اور چونکہ مخلوق کو اپنے إلٰہ سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اس لئے اسے اِلٰہ کہا گیا (مفردات)

(٦) بعض کے نزدیک لفظ اِلٰہ لَاہَ یَلُوْہُ لِیَاھًا سے ہے بمعنی پردہ میں چھپ جانا (مفردات)

ان سب معانی کو سامنے رکھا جائے تو ایک معبود (الٰہ) میں درج ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے:

(۱) اتنی طاقت رکھتا ہو کہ شر سے پناہ دے سکے، گویا وہ کوئی بالادست ہستی ہی ہوسکتی ہے۔

(۲) اس کی اس مشکل کشائی اور پناہ دہندگی ظاہری اسباب و علل پر منحصر نہ ہو بلکہ مستور و محجوب ہو۔ گویا یہ پناہ دہندگی یا حجت براری حیران کن طریقہ سے ہو۔

(۳) پھر ایسی ہستی سے اس کے طالب کا اشتیاق و محبت تو ویسے ہی ایک ناگزیر امر بن جاتا ہے۔

(۴) تخلیق کرنے کی صلاحیت

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ (۲۲/۷۳)

''جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے اگرچہ اس کے لئے سب مجتمع ہوجائیں۔''

(۵) جو خود مخلوق ہو وہ الٰہ نہیں ہوسکتا

www.KitaboSunnat.com

﴿ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ (۱۹۰/۷)

''کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے بلکہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں۔''

(۶) جو کھانا کھاتا ہو، وہ الٰہ نہیں ہوسکتا

﴿ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾ (۷۵/۵)

''مسیح بن مریم کچھ نہیں سوائے اللہ کے پیغمبر کے، ان سے پہلے بھی رسول گزرے۔ ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں تو کھانا کھاتے تھے۔''

گویا اللہ تعالیٰ ربّ بھی ہے اور اِلٰہ بھی۔ ربّ: اس لحاظ سے وہ کائنات کی جملہ اشیا کا پروردگار بھی ہے اور مالک بھی اور ان اشیا میں ہر طرح کے تصرف کا پورا اختیار رکھتا ہے اور اِلٰہ: اس لحاظ سے کہ حقیقتاً وہ ہی حاجت روائی اور مشکل کشائی کی طاقت رکھتا ہے کیونکہ اُمورِ کائنات میں تصرف کا اختیار صرف اسی کو حاصل ہے۔ پھر اَحکم الحاکمین بھی وہی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قانون سازی کے جملہ اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں اور حاکمیتِ اعلیٰ بھی اسی کو سزاوار ہے۔

۵۔ اللہ: بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ لفظ اللّٰہ، اِلٰہٌ سے ہی بنا ہے۔ وہ یوں کہ پہلا ہمزہ وصلحذف کرکے اس پر 'اَل' تعریف کا داخل کرکے لفظ 'اللہ' بنا ہے۔ 'اِلٰہ' اسم نکرہ ہے جس کے معنی ہیں کوئی سا معبود۔ اور 'اللہ' اسم معرفہ ہے جس کے معنی ہوئے خاص معبود یا حقیقی معبود۔ اس خیال کے مطابق اکثر اہل لغت اسے 'ال ہٰ' کے تحت لائے ہیں۔

اس کے برعکس بعض علما اس خیال کے سخت مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اِلٰہ پر 'اَل' داخل کرنے سے سینکڑوں ہزاروں 'الٰہوں' میں سے کون سے الٰہ پر زور دینا مقصود ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'اللہ' ایک ایسا کلمہ ہے جو شروع ہی سے عربی زبان میں موجود تھا۔ نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے، نہ اس سے کوئی دوسرا لفظ مشتق ہے۔ گویا 'اللہ' اسم مُرتَجَل ہے، عَلَم ہے اور جامد للفرد۔ عربوں کا اللہ کے متعلق تصور یہ تھا کہ وہ ہی معبود برحق ہے۔ وہی کائنات کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ وہی دعا اور پرستش کا اصل مستحق اور نفع وضرر کا مالک ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ان کے ان معتقدات کا ذکر کئی مقامات پر دہرایا گیا ہے۔

۶۔ جبت: جِبْت کے معنی صاحب 'منتہی الادب' نے یوں لکھے ہیں: ''بت و کاہن و فال گری و جادو وجادوگر، وآنکہ وراں خیر نبا شد از ہر چیز غیر باری تعالیٰ کہ آں را پرستش نمایند'' یعنی بت اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے۔ نیز کہانت، جادو، فال گیری اور ہر وہ چیز جس میں خیر نہ ہو۔ یہ لفظ دراصل اوہام وخرافات کے لئے ایک جامع لفظ ہے جس میں جادو، ٹونے، ٹوٹکے، جنتر

www.KitaboSunnat.com

منتر، سیاروں کی تاثیرات، سعد ونحس کے تصورات وتوہمات اور گنڈے، تعویذ اور نقش وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔

۷۔ طاغوت: بمعنی ''لات وعزیٰ وجادو وجادوگر، کاہن ودیو وہر باطل وبت وہر چہ بدی راسرشا یک وہر چہ جز خدا است کہ اورا پرستند وسرکش'' (منتہی الادب) گویا طاغوت ہر وہ باطل یا سرکش طاقت ہے جس نے خدا کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کی ہو اور بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خداوندی کا علم بلند کیا ہو، خواہ یہ کوئی ایک شخص ہو یا گروہ یا ادارہ یا حکومت ہو۔ ارشادِ باری ہے

﴿اَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾ ''کیا تم نے ان لوگوں پر غور کیا جنہیں کتاب اللہ کا ایک حصہ ملا ہے لیکن وہ جبت اور طاغوت کو مان رہے ہیں۔'' (النساء:۵۱)

اس آیت میں 'کتاب اللہ' کے ایک حصہ سے مراد وہ حصہ ہے جو تمدنی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی احکام پر مشتمل ہے۔

۸۔ حنیف: حنف (ضد جنف، طرفداری کرنا) بمعنی دوسرے راستے چھوڑ کر یکسو ہو کر دین کی راہ اختیار کرنا (جمع، حنفاء) اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو نہ تو اللہ کے سوا کسی کو اِلٰہ مانتا ہو نہ ربّ، نہ جبت کو تسلیم کرتا اور ایمان رکھتا ہو اور نہ طاغوت کے آگے جھکے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَا اُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ﴾ (البینۃ:۵)

''اور انہیں تو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ یکسو ہو کر دین کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی بندگی کریں۔''

شرک کی تعریف اور اقسام

شرک کی مختصر الفاظ میں جو تعریف کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو حصہ دار بنایا جائے۔'' لیکن یہ تعریف اتنی مختصر ہے کہ اس کو پھر کئی عنوانوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً ذات میں شرک، عبادات میں شرک، تعریف میں شرک، علم میں شرک، عادات میں شرک۔ لیکن اس کے بعد بھی شرک کے کئی ایسے گوشے باقی رہ جاتے ہیں جو ان عنوانات کے تحت نہیں آتے، حالانکہ وہ کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔

شرک کی ایک تعریف جو قرآن کے مفہوم کو بہت حد تک ادا کر دیتی ہے، یہ ہے کہ

''انسان اپنے کسی بھی طرح کے فائدے کے حصول یا تکلیف کے دفیعہ کیلئے اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو..... خواہ وہ چیز جاندار ہو یا بے جان، حاضر ہو یا غائب، مردہ ہو یا زندہ..... پکارے، اس کی

www.KitaboSunnat.com

طرف رجوع کرے اور اس سے توقعات وابستہ رکھے، جب کہ اس کے ظاہری اسباب معدوم ہوں''

(۱) کواکب پرستی اور مظاہر پرستی

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی مشہور اقسام میں سے مظاہر پرستی اور کواکب پرستی کا آغاز سب سے پہلے ہوا اور اس کی ابتدا عراق سے ہوئی۔ عراق میں اکثر مطلع صاف رہتا تھا۔ اکثر لوگ رات کو سیاروں کی چال اور حرکات کا مطالعہ کرتے اور اس میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے ہزارہا سال پیشتر یہ دریافت کرلیا تھا کہ سورج اور چاند کی طرح اور بھی بہت سے سیارے مشرق سے مغرب کی طرف مصروفِ سفر رہتے ہیں۔ پانچ مشہور سیارے یعنی عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری اور زحل جنہیں 'خمسہ متحیرہ' بھی کہتے ہیں، ان کے علم میں آچکے تھے۔ وہ ان سیاروں کی چال سے رات کے اوقات کا صحیح صحیح تعین بھی کرلیتے تھے اور سمت کا تعین کرنے کے بھی قابل ہوچکے تھے۔ اس کے ساتھ وہ ان اجرام کے بعض دیگر اثرات سے بھی واقف تھے مثلاً سورج کی وجہ سے دن رات پیدا ہوتے اور چاروں موسم وجود میں آتے ہیں جن سے طرح طرح کی فصلیں اور پھل پکتے ہیں۔ زندگی کے لئے روشنی اور حرارت نہایت ضروری ہے جو سورج سے حاصل ہوتی ہے۔ رات کو ہم چاند اور ستاروں سے روشنی حاصل کرتے، رات کا تعین کرتے اور رات کو دورانِ سفر سمت معلوم کرتے ہیں۔

نیز جن دنوں میں چاند زائد النور ہوتا ہے، پھلوں میں رس تیزی سے بڑھتا ہے اور جب ناقص النور ہوتا ہے تو یہ رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ یہ اثرات تو بالکل واضح تھے۔ لیکن انسان نے بعض توہمات کی بنا پر ان سیاروں کے انسان کی انفرادی زندگی پر بھی طرح طرح کے اثرات تسلیم کرنا شروع کردیئے۔ وہ اپنی زندگی اور موت، مرض اور صحت، رزق کی وسعت اور تنگی اور ایسے ہی کئی دوسرے اُمور کو بھی سیاروں کی چال سے منسوب کرنے لگا۔ جس کا لازمی تصور یہ نکلا کہ انسان نے ان سیاروں کی تعظیم شروع کردی اور ان کے لئے از راہِ عجز و نیاز اپنا سر تسلیم خم کردیا۔

حضرت ادریسؑ اور کواکب پرستی : ان توہمات اور گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی بذریعہ وحی رہنمائی فرمائی اور اسی دور میں حضرت ادریسؑ (اصل نام اخنوخ ۳۵۰۰ ق م) کو مبعوث فرمایا۔ چونکہ یہ ابتدائے آفرینش کا دور تھا، لوگوں کے علم نے ابھی کچھ ترقی نہ کی تھی، لہٰذا ادریسؑ کو بذریعہ وحی چند علوم سکھلائے گئے۔ چنانچہ کپڑا بننے اور کتابت کے موجد اور اُستادِ اول آپ ہی ہیں۔ آپ علم ہندسہ اور علم حساب کے بھی ماہر تھے۔ من جملہ دیگر علوم کے آپ کو علم نجوم کی پوری ماہیت، سیاروں کی

www.KitaboSunnat.com

گردش اور کشش وغیرہ کا علم بھی عطا کیا گیا تھا۔ ان علوم کے ساتھ ساتھ آپ فصاحت، علم لغت اور فن تقریر میں اتنے ماہر تھے کہ انہیں 'ہرمس☆ الہرامسہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے سیاروں کی اس قسم کی تاثیر سے متعلق لوگوں کے عقائدِ باطلہ کی پرزور تردید کی اور انہیں سمجھایا کہ یہ اجرام تو محض بنی نوع انسان کی خدمت پر مامور ہیں، انسان ان کا خادم نہیں ہے۔ اصل مقصودِ کائنات انسان ہے، نہ کہ اجرامِ فلکی۔ یہ اجرامِ فلکی تو انسانی زندگی سے بہت پہلے اپنے فرائض کی بجاآوری پر اس طرح مجبور اور بے بس تھے جس طرح آج ہیں۔ بھلا ان سیاروں کی حرکات کا انسان کے بگاڑ اور سنوار سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ گویا انسان کو اس کی عظمت ذہن نشین کرا کے ایسے حقیر توہمات سے نجات دلائی۔

حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ :جب حضرت ادریسؑ کی رحلت کو کچھ عرصہ گزر گیا تو سیاروں کی گردش کے انسانی زندگی پر اثرات کے توہمات پھر انسانی ذہن میں راہ پانے لگے۔ اب کی بار انسان پر شیطان کا یہ حملہ پہلے سے شدید تر اور سہ گونہ تھا۔ ایک تو یہ کہ ان توہمات نے عراق کے علاوہ مصر، یونان اور ہندوستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور دوسرے یہ کہ ان توہمات کو باقاعدہ ایک نظام کی شکل دے دی گئی۔ ہر سیارے کے لئے ایک الگ دیوتا God یعنی چھوٹا خدا تجویز ہوا جو بڑے خدا کا مددگار سمجھا جاتا تھا۔ پھر ان کی شکلیں تجویز کی گئیں اور ان کے مجسمے تیار کئے گئے جو گاڑے بھی جاسکتے تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی کئے جاسکتے تھے۔ خواہ یہ پتھر کے ہوں یا کسی دوسری دھات یا لکڑی کے اور تیسرے یہ کہ اب ان دیوتاؤں کے آگے صرف سرِتسلیم ہی خم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کے حضور چڑھاوے بھی چڑھائے جانے لگے اور قربانیاں بھی پیش کی جانے لگیں۔ جن کا خون ان دیوتاؤں کے مجسّموں یا بتوں پر مل دیا جاتا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ اس طرح ان کے یہ دیوتا خوش ہوں گے اور ہمیں کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔ ان بتوں کی اس ایذا رسانی کے عقیدے کو قرآن کریم نے درج ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ﴾ (ہود:۵۴)

''(قوم ہود نے کہا: اے ہود!) ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔''

حضرت ابراہیمؑ کی بعثت :اس نجوم پرستی کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی قدر جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم (۲۰۰۰ق م) کو اسی علاقہ بابل میں مبعوث فرمایا۔ اس وقت عراق کا پایۂ تخت بابل اور نمرود

☆ ہرمس ایک عظیم فلاسفر اور حکیم تھا اور سکندر کی مجلس علمی کا قائد تھا۔ جب وہ دربار میں کھڑے ہوکر اس مجلس کے سامنے تقریر کرتا تو ایسے رموز ونکات بیان کرتا کہ کہ اہل مجلس اس کی عقل ودانش پر مبہوت رہ جاتے تھے۔ یونانی حکما اس پر بہت رشک کیا کرتے تھے۔

www.KitaboSunnat.com

حکمران تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اس سلطنت کے سب سے بڑے شاہی پروہت، نجوم پرست اور بت تراش 'آزر' کے ہاں پیدا ہوئے۔ آزر کا اصلی نام تارخ تھا لیکن بت گری اور بت فروشی کی وجہ سے آزر مشہور ہوگیا تھا۔☆ ان دنوں مندوروں میں سیاروں کے دیوتاؤں کے موہوم شکلوں کے مجسّمے رکھے جاتے۔ نیز ان کے علاوہ دیگر مظاہر قدرت مثلاً آگ، پانی، بادل وغیرہ کے دیوتاؤں کے مجسّمے بھی موجود تھے۔ اور ان کے لئے ایسی تمام رسوم بجا لائی جاتی تھیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ بچپن ہی سے قوم کی اس نجوم پرستی اور بت پرستی سے بیزار تھے۔ سیاروں کے ایسے اثرات تسلیم کرنے کے لئے آپ کی طبیعت قطعاً آمادہ نہ ہوتی تھی۔ آپؑ نے پہلے کسی ایک سیارے کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا۔ پھر چاند اور اس کے بعد سورج کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ اس مطالعہ نے آپ کو سیاروں کے اثرات سے بغاوت پر آمادہ کردیا۔ آپ نے دیکھا کہ یہ اجرام خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اپنے فرض کی ادائیگی میں مجبور و بے بس ہیں۔ ان کا اپنا ذرّہ بھر بھی اختیار نہیں ہے۔ آپ سوچتے تھے کہ بھلا ایسی مجبور و بے بس اشیا خدائی اختیارات کی حامل کیسے ہوسکتی ہیں اور میرا کیا بگاڑ یا سنوار سکتی ہیں۔ آپ کی طبیعت اس جستجو میں رہتی کہ ایسی ذات کا پتہ لگائیں جو ان اجرامِ فلکی کی اور خود ہماری بھی نگران اور مربی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور بذریعہ وحی اس اضطراب کو دور کرکے یقینی علم عطا فرمایا۔ بقول ارشادِ باری تعالیٰ

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِى إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ﴾ (الانعام:۷۵)

''اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو کائنات کے عجائبات دکھلا دیئے تاکہ اسے یقینی علم حاصل ہو۔''

کواکب پرستی کے خلاف جہاد: چنانچہ آپ نے علی الاعلان نجوم پرستی اور ان عقائدِ باطلہ کی تردید اور مخالفت شروع کردی۔ جس کے ردّعمل کے طور پر باپ نے آپ کو گھر سے نکال دیا اور قوم نے ملک بدر کردیا۔ مگر آپ جہاں کہیں بھی گئے، اپنا مشن اور توحید کا درس جاری رکھا۔ ہجرت کے علاوہ بھی آپ کو اس مشن کے نتیجہ کے طور پر ایک دفعہ بہت بھاری قیمت یعنی جان کی قربانی بھی ادا کرنا پڑی۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ آپ کی قوم میں ''انفرادی زندگی پر سیاروں کے اثرات کا عقیدہ'' راسخ ہوچکا تھا اور وہ ہر کام میں سیاروں کی چال ملاحظہ کرکے ان سے اچھے اور بُرے نتائج اخذ کرتے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ ایک دفعہ قوم نے نوروز کے دن (جو اُن کے ہاں بڑا متبرک دن تھا جبکہ سورج برج حمل میں داخل ہوتا ہے) ان بتوں کے حضور نذر و نیاز پیش کرنے کے بعد ایک میلہ پر تفریحی تقریبات منانے کا پروگرام

☆ تفصیل کے لئے دیکھئے مضمون ''کیا حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر تھا یا تارخ؟'' (ماہنامہ 'محدث': جولائی ۲۰۰۰ء)

www.KitaboSunnat.com

بنایا۔ یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کو پیچھے نہ چھوڑنا چاہتے تھے، کیونکہ ان کی طرف سے انہیں کچھ 'خطرہ' بھی تھا۔ جب ان لوگوں نے آپ کو ساتھ چلنے پر مجبور کیا تو آپ کو ایک عجیب ترکیب سوجھ گئی جو ان لوگوں کے عقیدے کے عین مطابق تھی۔ آپ نے فوراً سیاروں کی توجہ کی اور کہا کہ ''میں تو عنقریب بیمار ہونے والا ہوں'' تمہارے رنگ میں بھنگ پڑ جائے گا، لہٰذا مجھے جانے پر مجبور نہ کرو۔ آپ کی یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی اور وہ لوگ آپ کو پیچھے چھوڑ کر میلہ پر چلے گئے۔

بعد میں وہی ہوا جس کا انہیں خطرہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے تبر (کلہاڑا) لے کر ان کے سب دیوتاؤں کو پاش پاش کر دیا۔ البتہ سب سے بڑے 'خدا' کو چھوڑ دیا اور تبر اس کے کندھے پر رکھ کر چلے گئے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ گویا اس بڑے خدا نے دوسرے سب چھوٹے خداؤں کا کام تمام کیا ہے۔ اور یہ تمام خدا حضرت ابراہیمؑ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ کارنامہ پوری قوم اور ان سب خداؤں کے لئے کھلا ہوا چیلنج تھا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ کارنامہ حضرت ابراہیمؑ ہی کا ہو سکتا ہے۔ انہیں برسرعام بلوایا گیا تو آپ نے برملا کہہ دیا کہ یہ سب ماجرا اس بڑے خدا سے پوچھ لو۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کہیں؟ آخر بولے: ''ابراہیمؑ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ یہ خدا بولتے نہیں۔'' یہ جواب گویا قوم کی ذہنی شکست تھی۔ تاہم انہوں نے اپنے دیوتاؤں کی وکالت کی خاطر ابراہیمؑ کو اس جرم کی پاداش میں آگ میں زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا۔ اور ایک بڑا الاؤ تیار کر کے اس میں حضرت ابراہیمؑ کو پھینک دیا گیا۔ لیکن اس اللہ نے، جس پر آپ ایمان رکھتے تھے، آپ کو زندہ وسلامت آگ سے نکال لیا۔ آپ کے آگ سے زندہ سلامت بچ نکلنے کا واقعہ قوم کے لئے دوسرا بڑا چیلنج تھا۔ لیکن ان کی بے بسی نے ان کو دوبارہ نگونسار کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے قول وعمل سے بت پرستی اور نجوم پرستی کے خلاف جو تحریک چلائی تھی، وہ کامیاب رہی۔ بہت سے لوگ حقیقت کو پا گئے اور ایسے عقائد ایک طویل مدت کے لئے سرد پڑ گئے۔

حضرت سلیمانؑ: (۹۵۰ق م) آپ فلسطین وشام کے فرمانروا بھی تھے اور نبی بھی۔ آپ کی حکومت عقبہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان ایام میں یمن کے علاقہ سبا میں ایک عورت (جس کا نام بلقیس بیان کیا جاتا ہے) حکمرانی کرتی تھی۔ یہ ملکہ اور اس کی رعایا تمام کے تمام سورج پرست تھے۔ اس قوم کے مورثِ اعلیٰ کا نام عبدِشمس (بندۂ آفتاب یا سورج کا پرستار) تھا اور لقب سبا تھا۔ بنی اسرائیل کی روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ہدہد سلیمانؑ کا خط لے کر پہنچا تو ملکہ سبا سورج دیوتا کی پرستش کے لئے جا رہی تھی۔ سلیمانؑ نے اس مشرک قوم کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا، لیکن یہ ملکہ کی دانشمندی تھی کہ وہ خود ہی مطیع و

www.KitaboSunnat.com

منقاد (فرمانبردار) ہوکر سلیمانؑ کے پاس حاضر ہوگئی۔اس کے بعد وہ خود اور اس کی قوم سب اس مشرکانہ فعل سے تائب ہوکر اسلام میں داخل ہوگئے۔

مجوس: دورِ نبوی میں بھی ایک اور مستقل فرقہ یا مذہب کا وجود بھی ملتا ہے جو خود تو اپنے آپ کو 'زرتشت' کہتے ہیں، لیکن قرآن نے انہیں 'مجوس' کے لفظ سے پکارا ہے۔یہ فرقہ ایران وعراق کے علاقہ سے تعلق رکھتا تھا اور یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوحؑ کا مرید بتلاتے ہیں اور نوح کے علاوہ دیگر انبیا کے دشمن ہیں۔اس فرقہ کے رہنما مانی اور متروک تھے۔ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔ایک نور یا روشنی کا خدا جسے وہ 'یزدان' کہتے تھے اور نیکی اور بھلائی کے تمام امور وافعال اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔دوسرا تاریکی یا ظلمت کا خدا جسے وہ 'اہرمن' کہتے تھے، اور برائی کے تمام امور وافعال اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ان کی الہامی کتابوں کا نام 'زند' اور 'اوستا' ہے۔یہ لوگ سورج اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔آگ کے بڑے بڑے الاؤ تیار کرتے اور اسے بجھنے نہیں دیتے تھے۔

ان زرتشتیوں کے ایک ضمنی فرقے کا عقیدہ یہ تھا کہ یزدان اور اہرمن دونوں خدا ہم مرتبہ ہیں لیکن یہ دونوں ایک الٰہ اعلیٰ کے ماتحت ہیں جس نے سب سے پہلے انہیں پیدا کیا۔

دورِ فاروقی میں جب یہ علاقہ اسلام کے زیرنگین آ گیا تو اس مذہب کا زور ختم ہوگیا لیکن کچھ نہ کچھ اثرات باقی چھوڑ گیا۔خلیفہ مامون الرشید عباسی کے دور میں شیعہ مذہب کے چند غالی فرقے ایسے عقائد کا شکار ہوگئے تھے۔ہندوستان کی تاریخ میں مغل بادشاہ 'اکبر' جس نے دین الٰہی رائج کیا، پکا سورج پرست تھا جو دن میں چار دفعہ سورج کی پرستش کرتا تھا۔اکبر ہندو عقائد کو اکب پرستی سے سخت متاثر تھا، کیونکہ اس نے کئی ہندو عورتوں سے شادی کی تھی۔

نجوم پرستی کا نیا دور: لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ایسے عقائد نے پھر سے راہ پائی بلکہ شیطان نے اس مشرکانہ نظام کو منظّم کرنے کے نئے گوشے بھی تلاش کر لئے۔نجوم پرستی یا علم جوتش کا علم نجوم، علم ہیئت سے گہرا تعلق ہے۔۵۹۰ ق م میں یونان کے ایک حکیم فیثا غورث نے یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج متحرک نہیں بلکہ ساکن ہے۔اور زمین ساکن نہیں بلکہ کئی سیاروں سمیت سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔لیکن اس کے دو صدی بعد یعنی چوتھی صدی ق م میں بطلیموس فلاسفر نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین ساکن اور سورج متحرک ہے۔اس نظام میں زمین کو صرف ساکن ہی نہیں بلکہ جملہ سیارگان کا مرکزِ عام قرار دیا گیا ہے۔اس نظام میں ۱۳ کرے مقرر کئے گئے ہیں۔پہلا کرہ آب جو زمین کے ۳/۴ حصہ کو محیط ہے۔دوسرا کرۂ ہوا، تیسرا فضا کا اور چوتھا حرارت کا کرہ ہے۔اس کے بعد ۹ فلک آتے ہیں۔پہلے فلک پر چاند، دوسرے پر عطارد،

www.KitaboSunnat.com

تیسرے پر زہرہ، چوتھے پر سورج، پانچویں پر مریخ، چھٹے پر مشتری اور ساتویں پر زحل ہے۔ آٹھویں فلک کو فلکِ ثوابت اور فلک البروج بھی کہتے ہیں۔ اسی فلک کو ۱۲ حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصہ کو ایک برج قرار دیا گیا ہے اور فلک نہم کو فلکِ اطلس کہتے ہیں۔ اس نظام کی رو سے آٹھوں افلاک اور ساتوں سیارے، اگرچہ اپنی الگ الگ حرکت بھی رکھتے ہیں تاہم فلکِ نہم کی حرکتِ وضعی سے وابستہ ہیں اور ساتوں سیاروں کی حرکت سالانہ ہر ایک فلکِ خاص کی حرکت سے تعلق رکھتی ہے۔

بطلیموس کا یہ نظریہ جو اس نے اپنے استادوں اور پیشرؤوں ارسطو اور برخس کی مدد سے مرتب کیا تھا، چار دانگ عالم میں بہت مقبول ہوا۔ مصر، یونان، ہند وغیرہ سب ممالک میں اس نظریہ کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ یورپ میں ۱۵۰۰ء تک اسی نظریہ کی تعلیم دی جاتی رہی ہے اور ہندوستان میں آج تک جنتریاں وغیرہ اس نظام کے مطابق مرتب ہوتی ہیں۔

سیارے اور ہفتہ کے دن: یہ نظریہ پہلے سے بھی بڑھ کر مشرکانہ عقائد اپنے ساتھ لایا۔ افلاک اور سیاروں کے ایسے مخصوص اثرات تسلیم کر لئے گئے جو انسانی زندگی پر ہر وقت پڑتے ہیں۔ ہفتہ کے سات دنوں کے نام اظہارِ عقیدت کے طور پر انہیں سات سیاروں یا ان کے دیوتاؤں کے نام پر رکھے گئے۔ اہل یونان و روم ان معتقدات میں پیش پیش تھے۔ ان کے ہاں دنوں کے ناموں کی سیاروں سے مناسبت کچھ اس طرح ہے۔ انگریزی زبان میں:

(۱) سورج کو اور اسی طرح اس کے دیوتا کو 'سن' (Sun) اور اتوار کو (Sunday) کہا جاتا ہے۔ یعنی سورج دیوتا کا دن۔

(۲) چاند کو اور اسی طرح اس کے دیوتا کو 'مون' (Moon) اور سوموار کو (Monday) کہا جاتا ہے یعنی چاند دیوتا کا دن۔

(۳) مریخ کو (Mars) لیکن اس کے دیوتا کو 'ٹو' (Tiw) لہٰذا منگل کو (Tuesday) کہا جاتا ہے یعنی مریخ دیوتا کا دن۔

(۴) عطارد کو اور اس کے دیوتا کو بھی 'وِیڈن' (Weden) اور بدھ کو (Wednesday) کہا جاتا ہے یعنی عطارد دیوتا کا دن۔

(۵) اسی Weden دیوتا کا ایک بیٹا تھار (Thor) تسلیم کیا گیا جو گرج یا رعد کا دیوتا بنا۔ اسے مشتری کا دیوتا بھی قرار دیا گیا۔ اسی نسبت سے جمعرات کو (Thursday) کہتے ہیں۔

(۶) اور اسی Weden دیوتا کی بیوی کا نام فرگ (Frigg) یا فرگا (Frigga) تجویز ہوا، اسے جونو

www.KitaboSunnat.com

(Jono) کہتے ہیں۔ یہ زہرہ سیارہ کی دیوی تھی اور اسی نسبت سے جمعہ کے دن کو (Friday) کہتے ہیں۔ زہرہ کا مالک دیوتا کی بجائے دیوی تجویز کرنے کی شاید یہ وجہ ہو کہ اس کو ایک خوبصورت سیارہ تصور کیا جاتا ہے۔

سیاروں کے ہمہ گیر اثرات

ہند کے لوگ ان معتقدات میں اہل مغرب سے بھی کچھ آگے بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے دنوں کے نام سیاروں کی نسبت سے تجویز کرنے کے علاوہ ان میں سعد ونحس کی تمیز بھی قائم کردی۔ مثلاً زحل کو ہندی میں سنیچر کہتے ہیں، اسی نسبت سے ہفتہ کا نام سنیچروار تجویز ہوا۔ اس سیارہ کو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ پھر ہر انسان کے نام کی کسی مخصوص سیارہ سے نسبت قائم کی گئی۔ گویا اس انسان پر اس منسوب سیارہ کے اثرات دوسرے سیاروں کی نسبت زیادہ تسلیم کئے گئے۔ اس طرح زہرہ کو ہندی میں شکر کہتے ہیں، لہٰذا جمعہ کا نام شکروار تجویز ہوا۔ مشتری کو برہسپت کہتے ہیں۔ جمعرات کا دن اس سیارہ کا تسلیم کیا گیا اور اسے برہسپت وار یا ویروار کہتے تھے۔ یہ سیارہ سعدِ اکبر تسلیم کیا جاتا ہے۔ گویا جس شخص کی اس سیارہ سے نسبت ہو، وہ بہت نیک بخت ہوگا۔ عطارد کو ہندی میں بدھ اور اس سے منسوب دن کو بدھوار کہتے ہیں اور اس سیارہ سے تعلق رکھنے والا انسان علم و دانش سے بہرہ ور ہوگا۔ مریخ کو ہندی میں منگل کہتے ہیں۔ اور منگل کا دن اسی سے منسوب ہے۔ مریخ کو منحوس تصور کیا جاتا ہے۔ سوموار کا دن چاند سے منسوب ہے اور اس سے نسبت رکھنے والے شخص میں نرمی اور جمال پایا جاتا ہے۔ اتوار سورج کا دن ہے اور اس سیارہ سے تعلق رکھنے والا شخص عموماً بہادر اور پرشکوہ ہوتا ہے۔

مزید ستم یہ ہوا کہ انفرادی اثرات کے علاوہ ان سیاروں کے زمین اور اہل زمین پر مجموعی اثرات بھی معتقدات میں شامل ہوگئے۔ مثلاً دولت، زراعت، معدنیات اور کپڑے کا مالک سورج کو تسلیم کیا گیا، حالانکہ ان کی الگ الگ دیویاں بھی موجود ہیں☆ مشتری کو یعنی برہسپت کو سیلاب اور بادلوں کا مالک۔ مریخ یعنی منگل کو پھلوں کے رسوں کا مالک، زحل یا سنیچر کو غذا کا مالک اور عطارد کو تمام پھلدار درختوں اور پودوں کا مالک سمجھا جانے لگا۔ ان معتقدات کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم ہیئت یا علم نجوم سے زیادہ ایک دوسرا علم یعنی علم جوتش یا 'علم اثراتِ نجوم' فروغ پا گیا۔ بادشاہ اور حکمران لوگ کسی بھی مہم یا سفر پر روانہ ہونے سے پیشتر نجومیوں سے زائچے تیار کروا کے یہ معلوم کرتے تھے کہ ان کا یہ سفر یا مہم کن حالات پر منتج ہوگی۔

☆ مثلاً دولت کی الگ دیوی ہے جسے 'لکشمی' کہتے ہیں۔ پھر دیوتاؤں کی بیٹیاں، بیٹے اور بیویاں بھی تجویز ہوئیں۔ اسی طرح ہند، مصر اور یونان میں ان چھوٹے خداؤں یعنی دیوتاؤں (Gods) اور دیویوں (Godesses) کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کی دلچسپی بڑھتی گئی تو اس کے نتیجہ میں پیشہ ور نجومیوں کی ایک فوج ظفر موج معرضِ وجود میں آ گئی جو لوگوں کے زائچے تیار کر کے انہیں غیب کی خبریں مہیا کرنے لگی۔ آج کل بھی ہماری اردو زبان میں ایسے بے شمار محاورات زبان زد ہیں جو ان معتقدات کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ''ستارۂ قسمت کا گردش میں ہونا'' یا 'فلک کے رفتار کی چیرہ دستی' وغیرہ۔ حتیٰ کہ ہمارے شعر و ادب میں بھی یہ تصورات نفوذ کر گئے۔ بقولِ غالب

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو کر رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اسلام اور کواکب پرستی

جب اسلام آیا تو اہل عرب دوسرے دیوتاؤں اور دیویوں کے علاوہ سیاروں سے منسوب دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش بھی کرتے تھے۔ سورج کو عربی میں شمس کہتے ہیں اور یہ لفظ بطورِ مؤنث استعمال ہوتا ہے چنانچہ اہل عرب سورج کے دیوتا کو دیوی 'الاہۃ' (جو کہ الٰہ کی مؤنث ہے) کہتے تھے۔ اسی طرح ستارہ 'شعریٰ' کا ذکر بھی قرآنِ کریم میں موجود ہے جس کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسلام نے سیاروں سے منسوب جملہ معتقدات پر کاری ضرب لگائی۔ چند معروف پہلو درج ذیل ہیں:

(۱) سیاروں کی خدائی

اسلام نے انسان کو تمام کائنات سے اشرف تسلیم کرتے ہوئے بلند ترین مقام بخشا ہے۔ ان سیاروں کی خدائی یا دیوتائی تو درکنار وہ تو ان اجرامِ فلکی کو انسان کا خادم قرار دیتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ (ابراہیم:۳۳)

''اور اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کو تمہاری خدمت پر مامور کر دیا ہے جو ایک دستور پر چل رہے ہیں۔ اسی طرح دن اور رات کو تمہاری خدمت کے لئے لگا دیا گیا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ صرف ان اجرامِ فلکی ہی کی کیا بات ہے، ہم نے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، تمہاری ہی خدمت پر مامور کیا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ (لقمان:۲۰) ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔''

(۲) سیاروں کی تاثیر تسلیم کرنا واضح شرک ہے

دورِ نبوی کا واقعہ ہے کہ ایک رات بارش ہوئی جو عرب جیسے بے آب و گیاہ ملک میں ایک عظیم نعمت

www.KitaboSunnat.com

متصور ہوتی تو صبح آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (حدیثِ قدسی):

"وأصبح من عبادی مؤمن بی وکافر بالکواکب، فأما من قال: مُطِرنا بفضل الله ورحمته فذلك مؤمن بی وکافر بالکواکب وأما من قال مُطِرْنا بنوء کذا وکذا فذلك کافر بی ومؤمن بالکواکب" (متفق علیہ)

''میرے بندوں میں کچھ لوگ مجھ پر ایمان لائے اور سیاروں (کی تاثیرات) سے منکر یا کافر ہوئے یعنی جس شخص نے یہ کہا کہ ہم پر یہ بارش اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور سیاروں کا منکر ہوا اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر یہ بارش فلاں سیارے کے فلاں برج میں داخل ہونے سے ہوئی تو وہ میرا منکر ہوا اور سیاروں پر ایمان لایا۔'' (بخاری ومسلم)

گویا سیاروں کے اثرات کو تسلیم کرنا اور خدا پر ایمان لانا دو مخالف اور متضاد چیزیں ہیں جن میں سے صرف ایک ہی چیز قبول کی جاسکتی ہے۔ جو مسلمان ہے وہ سیاروں کے اثرات کو تسلیم نہیں کرسکتا اور جو سیاروں کے اثرات کو تسلیم کرتا ہے، وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ آج ہمارے اسلامی معاشرہ میں یہ مشرکانہ رسم عام ہوچکی ہے اور اب تو اچھے خاصے دین دار افراد بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ

''میرا سٹار چونکہ فلاں ہے، اس لئے مجھ میں فلاں خاصیت پائی جاتی ہے۔''

یہ بھی انسانی زندگی میں ستاروں کے اثرات تسلیم کرنے کا واضح مظہر ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

(۳) علم نجوم اور علم غیب

علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، اللہ کے سوا دوسروں کے لئے علم غیب کی تردید قرآن کریم میں بہت سی آیات سے ثابت ہے وہ ﴿لاَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلاَّ هُوَ﴾ کہہ کر غیب کی خبریں بتلانے والے سب علوم (جیسے رَمل، جفر، جوتش، کہانت) کو وہمی اور باطل قرار دیتا ہے اور قرآن نے عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ جو شخص غیب جانتا ہو، اسے تلاشِ معاش کے لئے دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے کی اور محنت ومشقت کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا کہ آپ اعلان کردیجئے

﴿وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾ (الاعراف:۱۸۸)

''(اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سا مال و دولت اکٹھا کرلیتا اور مجھے کبھی کوئی گزند نہ پہنچتا۔''

اس آیت میں علم غیب کے دو فائدے بتلائے گئے ہیں: (۱) حصولِ رزق کے لئے محنت ومشقت کی ضرورت نہیں رہتی اور (۲) یہ کہ ایسے شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ وہ اس کا تدارک پہلے ہی

www.KitaboSunnat.com

سوچ لیتا ہے۔ گویا قرآن نے غیب دانی کے لئے ایک معیار بتلا دیا ہے۔

کہانت، رمل، جفر اور غیب دانی کے مدعی دوسرے علوم: اسی معیار کے لحاظ سے غیب دانی کا دعویٰ کرنے والے دوسرے علوم مثلاً جفر، رمل، کہانت اور فال گیری وغیرہ سب باطل ٹھہرتے ہیں کیونکہ یہ علوم جاننے والے عموماً فٹ پاتھ پر بیٹھ کر زائچے بنا کر پیسے کماتے، انگوٹھیاں اور تعویذ بیچتے ہی نظر آتے ہیں۔ اگر ان علوم میں کچھ صداقت ہوتی تو یہ لوگ ایسے مفلوک الحال نظر نہ آتے۔

اور شرعی لحاظ سے یہ علوم اس لئے باطل ہیں کہ ان کا تعلق یا غیب دانی سے ہوتا ہے یا بعض اشیا کی تاثیرات سے اور یہ دونوں باتیں شرعی نقطہ نظر سے غلط ہیں۔ قرآن ایسے ہی علوم کو جِبت سے تعبیر کرتا اور ان پر یقین رکھنے کو کفر و شرک بتلاتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ ان علوم کے اثرات بعض دفعہ واضح طور پر ظہور پذیر ہوجاتے ہیں جیسے کاہن کی خبریں کبھی سچی بھی نکل آتی ہیں ورنہ یہ پیشے دنیا سے معدوم ہوجاتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ سچی ہوتیں ہیں تو بسا اوقات غلط بھی ثابت ہوجاتی ہیں۔ لہٰذا ان علوم کا اعتبار کیا رہا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا ثابت ہونا اور چیز ہے اور اس کا شرعی نقطہ نظر سے جائز ہونا اور چیز۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جادو یا دیگر شیطانی تصرفات سے کسی کو بھی انکار نہیں، لیکن ان کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں۔

(۴) ہفتہ کے دنوں کے نام

ہندی یا بکرمی تقویم اور یورپی یا عیسوی تقویم دونوں میں ہفتہ کے دنوں کے نام دیوتاؤں اور سیاروں کی فرمانروائی کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں جبکہ اسلامی یا ہجری تقویم میں ہفتہ کے ناموں میں شرک، نجوم پرستی یا بت پرستی کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔ اس تقویم میں ہفتہ کے دنوں کے نام یہ ہیں:

یوم الجمعة	یوم السّبت	یوم الأحد	یوم الاثنین	یوم الثّلثاء	یوم الاربعاء	یوم الخمیس
جمعہ	ہفتہ	پہلا دن	دوسرا دن	تیسرا دن	چوتھا دن	پانچواں دن

اگرچہ موجودہ سائنسی دور نے بھی ستاروں کی تاثیرات اور اس جیسے دوسرے توہمات کو باطل قرار دیا ہے، تاہم ابھی تک ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے مضامین سے پر جنتریاں ابھی تک چھپتی ہیں اور جوتشی، نجومی وغیرہ بھی اپنی دکانیں سجائے اکثر نظر آجاتے ہیں۔

(۲) اولیا پرستی اور قبر پرستی

اِن تاریخی ذرائع سے جو انسان کے علم میں آئے ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام

www.KitaboSunnat.com

سے ساتویں پشت پر حضرت ادریسؑ کا زمانہ ہے اور ان انبیا کے درمیان تقریباً ساڑھے تین ہزار سال کا فاصلہ ہے اور حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ سے دسویں پشت پر ہیں اور حضرت ادریسؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان وقفہ تقریباً دو ہزار سال ہے۔ حضرت نوحؑ کی اپنی عمر (ہزار سال) قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔

کواکب پرستی اور مظاہر پرستی کا آغاز تو حضرت ادریسؑ کی بعثت سے پہلے ہوتا ہے جبکہ اولیا پرستی کے آغاز کا سراغ حضرت نوحؑ کی بعثت سے بہت پہلے ہوا تھا۔ چنانچہ جب نوحؑ نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا تو انہوں نے کہا کہ

﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾

''اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا'' (نوح:۲۳)

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں (علاوہ ازیں یہ روایت مسلم، نسائی اور احمد میں بھی مذکور ہے) کہ

"إن هؤلاء صالحين فی قوم نوح فلمّا ماتوا عكفوا علىٰ قبورهم ثم صوروا تماثيلهم فعبدوهم ثم صارت هذه الأوثان فی قبائل العرب" (بخاری، کتاب التفسیر)

''یہ سب (پانچوں بزرگ) قومِ نوح کے نیک لوگ تھے۔ جب وہ مرگئے تو لوگ ان کی قبروں پر مراقبے کرنے لگے۔ پھر ان کے مجسّمے بنائے اور عبادت کرنے لگے۔ پھر یہی بت عرب کے قبائل میں پھیل گئے۔''

اور کتبِ تفاسیر میں ان کی مزید تشریح یوں ملتی ہے کہ یہ لوگ حضرت نوحؑ کے آباؤ اجداد میں سے تھے اور اتنے نیک تھے کہ انہیں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا اور ذوقِ عبادت بڑھتا تھا۔ جب وہ یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو لوگوں کو اس کا بہت افسوس ہوا۔ وہ اکثر ان کی قبروں پر جاتے اور وہاں بیٹھ کر ان کی یاد تازہ کرتے تھے۔ بعد میں ان کی قبروں پر اعتکاف بیٹھنے کی رسم جاری ہوگئی۔ آخر میں شیطان نے ان کو یہ پٹی پڑھائی کہ ان کی قبروں پر جانے کی زحمت بھی کیوں گوارا کرتے ہو، ان کی مورتیاں بنالو جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ان مورتیوں کو دیکھ کر تم میں وہی ذوقِ عبادت پیدا ہوگا، جو تمہیں ان کو زندگی کی حالت میں دیکھنے سے پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ قوم اس چال پر لگ گئی۔ انہوں نے ان بزرگوں کی مورتیاں بنا کر اپنی مساجد میں رکھ لیں اور انہیں دیکھ کر محوِ عبادت رہتے، پھر بعد کے آنے والے لوگوں نے ان مورتیوں ہی کو پوجنا شروع کر دیا۔

ان تصریحات سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

(۱) یہ 'اولیاء اللہ' نوحؑ کی بعثت سے صدیوں پہلے فوت ہو چکے تھے اور جب نوحؑ مبعوث ہوئے تو اس وقت یہ قوم ان کے بتوں کی عبادت کرتی اور اپنے ان معتقدات پر راسخ ہو چکی تھی۔

(۲) شیطان نے جب کبھی شرک یا کسی دوسری برائی کی راہ انسان کو سجھائی ہے تو اس کا کوئی پہلو خوبصورت بنا کر اسے اپنے دامِ تزویر میں پھنسایا ہے۔

(۳) مظاہر پرستی کی دو شکلیں ہیں: ایک، براہِ راست اس چیز کے سامنے سرِعجز و نیاز خم کیا جائے جیسے سورج، آگ، کسی خاص درخت یا حیوان (مثلاً گائے) کے سامنے، دوسرے، اس کا بت بنا کر اس کے سامنے تعظیم و آداب بجا لائے جائیں جیسے سورج دیوتا، لکشمی دیوی وغیرہ۔ اسی طرح اولیا پرستی کی دو قسمیں ہیں: ایک قبر پرستی، دوسرے بت پرستی۔ گویا بت پرستی ان دونوں میں قدرِ مشترک ہے

مظاہر (کواکب) پرستی اور اولیا پرستی میں مشترک اقدار

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی ان مختلف اقسام میں چند باتیں ایسی ہیں جو ہر قسم کے مشرکوں کے عقائد میں داخل ہیں اور وہ یہ ہیں:

ا۔ روح کا تعلق

ایک مظاہر پرست جب کسی بت کی پوجا کرتا ہے تو اس اعتقاد کے ساتھ کرتا ہے کہ یہ بت تو صرف پتھر یا دھات کا بت ہے۔ اس کی بذاتِ خود کوئی حیثیت نہیں۔ البتہ جس چیز یا دیوتا کا یہ بت ہے، اس کی روح کا تعلق اس بت سے بدستور قائم ہوتا ہے۔ اور جب بھی کوئی نیا بت اس دیوتا کی مخصوص شکل کے مطابق بنایا جاتا ہے تو اس نئے بت سے بھی اس دیوتا کی روح کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب ہم اس بت کو پکارتے ہیں تو اس دیوتا کی روح قریب سے ہماری آواز سنتی ہے، پھر اس کا مداوا کرتی ہے۔ بعینہٖ اس طرح کا عقیدہ ایک قبر پرست کا ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ فوت شدہ بزرگ کی روح کا تعلق اس کی قبر سے بدستور قائم رہتا ہے۔ اور جب ہم ان کی قبر پر حاضری دیتے ہیں تو ان کی روح ہم سے خوش ہوتی ہے اور جب انہیں پکارتے ہیں تو وہ اس کا مداوا کرتے ہیں۔

قرآن ان دونوں قسم کے نظریات کو باطل قرار دیتا ہے۔ مظاہر کا اس لئے کہ وہ بے جان اور انسان کے خادم ہیں۔ ان میں زندگی یا روح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سورج اگر ہمیں حرارت بخشتا ہے اور اس سے فصل پکتے یا بعض دوسرے فوائد حاصل ہوتے ہیں تو اس میں اس کا اپنا کچھ کمال نہیں کیونکہ یہ تاثیریں اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہیں۔ جیسے زہر انسان کو ہلاک کرتا ہے یا شہد شفا بخشتا ہے تو اس میں زہر یا شہد کا

www.KitaboSunnat.com

اپنا کچھ کمال نہیں۔

اور اولیاء اللہ کی روحیں تو ہوتی ہیں مگر وہ مرنے کے بعد اعلیٰ علیّین میں پہنچ چکی ہوتی ہیں۔ ان کا اپنی قبر سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ لہٰذا قبر پرست جو انہیں پکارتے ہیں، وہ تو ان کی پکار کو سن بھی نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ ان کا جواب دیں یا تکلیف کا مداوا کریں۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ أَعْدَاءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِيْنَ﴾

''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اس کا جواب نہ دے سکے اور انہیں ان کے پکارنے کی خبر بھی نہ ہو۔ اور جب لوگ (قیامت کو) اکٹھے کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کردیں گے۔'' (الاحقاف:۵،۶)

اس آیت سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(۱) یہاں من دون اللہ سے مراد صرف 'فوت شدہ بزرگ' ہی لئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ مظاہر قدرت سورج، چاند، آگ، درختوں وغیرہ کا حشر ونشر سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ہی ان کی دشمنی کا کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی دوستی کا کچھ فائدہ۔

(۲) یہ 'فوت شدہ بزرگ' پکارنے والے کی پکار کو قیامت تک نہیں سن سکتے تو پھر بھلا اسکا مداوا کیا کریں گے؟

(۳) ان 'فوت شدہ بزرگوں' کو پکارنے والا گمراہ ترین انسان ہوتا ہے۔

(۴) قرآن کریم نے اس پکار یا دعا کو عبادت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کو پکارنا 'شرک' ہے۔

۲۔ نظامِ کائنات

ان دیوتاؤں، جھوٹے خداؤں یا اولیاؤں کے جواز میں مشرکین کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ جس طرح ایک بادشاہ کو اپنی مملکت کا نظام چلانے کے لئے امیروں وزیروں کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بغیر نظامِ حکومت چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اس نظام کائنات کو چلانے کے لئے اپنے ماتحت مختلف ہستیوں کو مقرر کررکھا ہے اور انہیں کچھ نہ کچھ اختیارات تفویض کررکھے ہیں۔ جو مختلف امورِ کائنات کی نگرانی کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے مشرکین کی اس دلیل کو بھی باطل قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایک بادشاہ آخر ایک کمزور سا انسان ہوتا ہے اور اکیلے نظامِ مملکت چلانا اس کے لئے ناگزیر ہے۔ وہ نہ تو ہر کسی کی بات سن سکتا ہے، نہ اس کا مداوا کرسکتا ہے، نہ ہی اپنی مملکت کے ہر کونے میں بذاتِ خود پہنچ سکتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ایسے تمام

www.KitaboSunnat.com

نقائص سے پاک ہے۔ وہ خالق ہے مخلوق نہیں۔ وہ مقتدرِ اعلیٰ ہے کمزور نہیں۔ لہٰذا اس نظامِ مملکت کے چلانے کے لئے کسی مددگار کی بھی ضرورت نہیں، وہ ہر جگہ حاضر بھی ہے اور ناظر بھی۔ ہر ایک کی ہر جگہ سے پکار سن بھی سکتا ہے اور اس کا مداوا کرنے کا بھی اسے مکمل اختیار ہے۔لہٰذا اسے ماتحت افسران کی کوئی ضرورت نہیں۔ارشادِ باری ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا﴾

''اور کہو کہ سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے، نہ ہی اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے، اور نہ ہی وہ عاجز و ناتواں ہے کہ اس کا کوئی مددگار ہے، اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔'' (الاسراء:۱۱۱)

۳۔ توسل

نظامِ کائنات سے متعلق یہ تصور قائم کرنے کے بعد شیطان نے ان مشرکوں کو یہ راہ سجھائی کہ جس طرح ایک بادشاہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اپنے قریبی افسروں سے تعلق پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ان چھوٹے خداؤں (نبیوں یا اولیاؤں سے رابطہ قائم رکھنا ضروری ہے تاکہ ہماری ضروریات باضابطہ طور پر (Through Proper Channel) شرفِ پذیرائی حاصل کرسکیں اور ہم اللہ کے قریب ہوسکیں۔مشرکین کے اس عقیدہ کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾

''اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا دوست بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں)، ہم تو ان کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کردیں۔'' (الزمر:۳)

ایسے ہی درمیانی رابطہ کو جو کسی کے لئے ذریعہ قرب بن سکے، عربی زبان میں 'وسیلہ' کہتے ہیں۔اور توسل بھی قرب کا ذریعہ تلاش کرنا ہے۔مشرکین مکہ بھی وسیلہ سے یہی چھوٹے خداؤں کا درمیانی رابطہ مراد لیتے تھے۔دورانِ حج وہ تلبیہ اس طرح پڑھا کرتے تھے:

لَبَّیْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ۔ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ (بخاری:۱۵۴۹)

یعنی وہ حقیقی معبود اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتے تھے۔صرف اس قسم کے 'توسل' کی بنا پر انہیں مشرک قرار دیا گیا۔مشرکین کی اس دلیل کا ردّ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کا مثبت جواب یہ دیا کہ تمہاری دعا وفریاد سننے کے لئے بھی کسی درمیانی واسطہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں تو تمہاری رگِ جان سے بھی تم

www.KitaboSunnat.com

سے نزدیک تر ہوں۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّى فَإِنِّىْ قَرِيْبٌ، أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

''اور (اے پیغمبرؐ) جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں قریب ہی ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ سے کی ہوئی دعا بعض دفعہ قبول ہوجاتی ہے اور بعض دفعہ نہیں بھی ہوتی۔ دعا کے قبول نہ ہونے کے بھی کئی اسباب ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ دعا قبول ہو یا نہ ہو، ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر ایک جوتی کا تسمہ بھی مانگیں تو اسی اللہ سے مانگیں۔ اس قسم کا توسل بہرحال اللہ تعالیٰ کو سخت ناگوار ہے۔ اور وسیلہ کی جائز اور صحیح تر صورت یہ ہے کہ اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنایا جائے۔☆ یعنی اگر ہم نیک عمل کریں گے تو خودبخود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا جائے گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدۃ:۳۵) ''اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو اور اس کے رستے میں جہاد کرو تاکہ نجات پاؤ۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جوں جوں انسان تقویٰ اختیار کرتا جاتا ہے، اللہ کا قرب حاصل کرتا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور نجات پانے کا بہترین ذریعہ تو 'جہاد' (دین کو غالب کرنے کی محنت) ہے۔

۴۔ سفارش

تمام مشرکین میں چوتھی قدرِ مشترک سفارش یا شفاعت ہے جو ان کے نظامِ کائنات والے مزعومہ عقیدہ کی ایک کڑی ہے۔ شفاعت کا اطلاق عام طور پر دفع مضرت کے لئے درمیانی رابطہ تلاش کرنے پر ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس طرح ایک مجرم انسان کو تھانے یا عدالت میں پیش ہونے سے پہلے اپنے بچاؤ کے لئے کسی سفارش کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ہم جیسے گنہگاروں کو اس حقیقی معبود کی عدالت میں حاضر ہونے سے پیشتر ان چھوٹے خداؤں (یعنی دیوتاؤں یا اولیاؤں) کی سفارش بھی ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے تحت ان معبودوں کے آگے سر عجز و نیاز خم کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے اور قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ اور ہر وہ کام کرتے ہیں جو معبودِ حقیقی کے لئے سزاوار ہیں تاکہ یہ معبود ہم سے خوش رہیں اور ہماری سفارش کردیں۔ مشرکین کے اس عقیدہ کو اللہ نے ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعٰؤُنَا عِنْدَ

☆ تفصیل کے لئے دیکھیں ''وسیلہ کی شرعی حیثیت'' از مولانا عبدالجبار سلفی ...... ماہنامہ 'محدث': مئی ۲۰۰۰ء، ص ۲۰ تا ۲۹

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهِ، قُلْ أَتُنَبِّئُنَّهُمْ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الارْضِ﴾ (یونس:۱۸)

''اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، جو نہ تو ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور نہ سنوار سکتی ہیں۔ پھر کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ان سے کہہ دو: کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو، اس کے علم میں آسمانوں اور زمین میں جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔''

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ مشرکین کا یہ عقیدۂ شفاعت سرتاپا باطل ہی باطل ہے جس میں ذرّہ بھر بھی حقیقت نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

''کسی کی مجال ہے کہ وہ اللہ کے ہاں کسی کی سفارش کر سکے، الا یہ کہ اللہ کو خود منظور ہو۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسے عقیدۂ شفاعت پر تکیہ کرنا باطل اور عبث ہے۔ کیونکہ جس 'بزرگ' سے ایسی توقع وابستہ کی جارہی ہے، اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا اپنا انجام کیا ہوگا؟ پھر وہ دوسروں کو کیا ضمانت دے سکتا ہے یا دوسرے اس سے کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟ البتہ اس آیت میں إلا بإذنہٖ کے الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس 'کلیۃً' میں کچھ گنجائش موجود ہے۔ یعنی کسی خاص بزرگ کی کسی خاص گنہگار کے حق میں سفارش قبول بھی ہوسکتی ہے اور اس کی شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) سفارش کنندہ کو روزِ قیامت اپنی نجات اور خدا کی خوشنودی کا یقین ہو چکا ہو۔

(۲) جس کی سفارش کی جارہی ہے، وہ نہ تو مشرک ہو اور نہ ہی عادی مجرم۔

(۳) ایسی سفارش بھی کسی زور یا دباؤ کے تحت قبول نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا زور نہیں۔ وہ سب سے زیادہ زورآور اور غالب ہے۔ یہ سفارش بھی سفارش کی التجا اور اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کے نتیجہ کے طور پر مقبول ہوسکتی ہے اور یہی إلا باذنہٖ کا مطلب ہے۔ اور اسی طرح کی سفارش انبیاء اور صالحین کریں گے جو مقبول ہوگی۔

دورِ نبویؐ کا ایک واقعہ ہے، قحط سالی کا دور تھا۔ ایک گنوار رسول اللہؐ کی خدمت میں آیا اور بارش کے لئے دعا کرنے کی التجا کی اور کہا کہ إنا نستشفع بك على الله ونستشفع بالله عليك

یعنی ''ہم آپ کی اللہ کے ہاں سفارش چاہتے ہیں اور اللہ کی سفارش آپ کے ہاں''۔

گنوار کی اس بات پر آپ لرزہ براندام ہوگئے اور سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے لگے۔ مشیتِ الٰہی کے آثار آپ کے چہرہ سے واضح طور معلوم ہونے لگے۔ پھر آپ نے اس گنوار کو کہا کہ تم کیسے بیوقوف ہو اور اللہ کو کسی کے ہاں سفارشی نہیں بناتے، تم اس کی عظمت کو کیا جانو۔ اس کی شان بہت بڑی ہے۔ اس کا عرش اس کے آسمانوں پر ہے۔ اور اپنے ہاتھ کو قبے کی شکل بنا کر سمجھایا اور کہا کہ اس کا عرش اللہ کی عظمت کی وجہ

www.KitaboSunnat.com

سے یوں چرچر بولتا ہے جیسے اونٹ کا پالان سوار کے بوجھ سے'' (سنن ابوداود: حدیث ۴۱۰۱)

اس حدیث کی روشنی میں آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ روزِ قیامت سفارش کون کرسکے گا اور کس صورت میں کرسکے گا؟

(۳) ملائکہ پرستی

فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک غیر مرئی اور نوری جاندار مخلوق ہے جن پر ایمان لانا 'ایمان بالغیب' کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ ایمان لانا صرف ہم مسلمانوں پر ہی فرض نہیں بلکہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا کیونکہ اس کا ذکر تمام سابقہ الہامی کتابوں میں ملتا ہے۔

فرشتے بھی جسم رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض دو پروں والے، بعض چار پروں والے، بعض چھ پروں والے اور بعض کے پر اس سے بھی زیادہ ہیں۔ وہ آسمانوں کی طرف چڑھتے بھی ہیں اور آسمانوں سے زمین کی طرف اُترتے بھی ہیں۔ ان میں عقل وشعور تو ہے مگر اِرادہ واختیار نہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل پر ایسے ہی مجبور وبے بس ہیں جیسے سورج اور چاند وغیرہ۔ گویا ان کی اطاعت تسخیری ہے اختیاری نہیں۔ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، نہ ہی ان میں نسل کشی یا توالدوتناسل کا سلسلہ قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ہر ایک کو الگ الگ ہی پیدا کیا ہے۔ ان کی تعداد بے حد وحساب ہے۔ یہ فرشتے اپنا الگ الگ تشخص اور نام بھی رکھتے ہیں۔

ان فرشتوں کا کام تدبیر اُمورِ کائنات ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ سرمو تجاوز کرسکتے ہیں نہ تقصیر، یہی ان کی عبادت ہے۔ بلکہ کام کی نوعیت کے لحاظ سے بعض فرشتے دوسروں سے افضل ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ کے ذمہ ایک اضافی ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ وہ انبیاء ورسل تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے۔ عزرائیلؑ جاندار مخلوق کی اَرواح قبض کرنے پر مامور ہیں۔ میکائیلؑ بادلوں پر مامور ہیں۔ جس وقت اور جس مقام پر اور جتنی اللہ تعالیٰ چاہے، وہاں اتنی ہی بارش ہوتی ہے۔ حضرت اسرافیل کی ایک اضافی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ پہلی دفعہ صور میں پھونکیں گے تو روئے زمین پر کوئی جاندار مخلوق باقی نہ رہے گی اور دوسری دفعہ اس وقت پھونکیں گے جب میدانِ محشر قائم ہوگا۔ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے بدستور لگے رہتے ہیں جو ان کے نیک اور برے اعمال کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ دوزخ پر بھی تندخو قسم کے فرشتے مقرر ہیں۔ قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کے عرش کو آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ان کی بھی کئی قسم کی ذمہ داریوں کا پتہ چلتا ہے۔ فرشتے یہ کام کیسے سرانجام

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہیں؟ یہ ہمیں معلوم نہیں، نہ ہم یہ جاننے کے مکلّف ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندی، مصری اور یونانی تہذیب میں دیوتاؤں اور دیویوں کا عقیدہ اسی عقیدۂ ملائکہ سے ماخوذ ہے جو کئی لحاظ سے غلط ہے، مثلاً:

(۱) دیوی دیوتاؤں میں نر و مادہ کا سلسلہ موجود ہے، لیکن فرشتوں میں نر و مادہ کی سرے سے کوئی تمیز ہی نہیں.

(۲) دیوی دیوتاؤں میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی موجود ہے جیسا کہ ویدن (Weden) کی ایک بیوی تسلیم کی جاتی ہے جس کا نام فرگ (Frigg) یا فرگا (Frigga) ہے۔ اور ان کے بیٹے کا نام تھار (Thor) لیکن فرشتوں میں توالد و تناسل کا کوئی سلسلہ نہیں۔

(۳) دیوی دیوتاؤں کو صاحبِ اختیار و ارادہ مخلوق تسلیم کیا گیا ہے جو ایک دوسرے سے الجھتے، لڑ پڑتے ایک دوسرے پر غالب ہوتے ہیں لیکن فرشتے ان باتوں سے پاک ہیں۔

(۴) دیوی دیوتا اپنے پجاریوں کی عبادت سے خوش ہوتے اور ان کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کی طاقت رکھتے ہیں کیونکہ صاحبِ اختیار و ارادہ ہیں۔ لیکن فرشتے تو صاحبِ اختیار و اِرادہ ہیں ہی نہیں، لہٰذا اُن سے ایسی توقعات عبث ہیں۔

غالباً انہی وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کے ایک عقل پرست فرقہ نے ملائکہ سے کائنات کی تسخیری قوتیں مراد لی ہیں لیکن یہ تعبیر بھی غلط ہے کیونکہ صریح نصوص کے خلاف ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسی مقتدرِ اعلیٰ ہستی ہے جیسا کہ اس کی صفات بیان کی جاتی ہیں تو اسے تدبیرِ اُمور کائنات میں فرشتوں سے بھی مدد لینے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز یہ کہ اگر نظامِ کائنات ایسے ہی چل رہا ہے تو پھر ملائکہ کے بجائے دیوتاؤں کا نام لے لینے سے کیا فرق پڑ جاتا ہے؟ تو ان سوالوں کا جواب یہ ہے کہ لفظ 'شریک' کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے جب وہ 'مشرک' صاحبِ ارادہ بھی ہو۔ میں اگر قلم اور دوات سے کچھ لکھتا ہوں تو یہ قلم اور دوات میرے شریک نہیں بلکہ آلہ کار ہیں۔ اسی طرح ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے آلہ کار کی حیثیت تو دی جاسکتی ہے، شریک کی نہیں۔ اس کے برعکس دیوی دیوتا چونکہ صاحبِ اختیار و ارادہ تسلیم کئے گئے ہیں، اس لئے ان کی حیثیت شریکِ کار کی ہے نہ کہ آلہ کار کی۔

اِس صریح فرق کے باوجود انبیاے سابقہ کی اُمتوں پر اسی یونانی، مصری اور ہندی تہذیبوں کا اتنا اثر پڑا کہ وہ ملائکہ کو بھی وہی کچھ کہنے لگے جو دیوی دیوتاؤں سے سمجھا جاتا تھا۔ ان فرشتوں میں نسلی امتیاز بھی قائم کیا گیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی اولاد سمجھا جانے لگا۔ مزید ستم یہ کہ وہ ان فرشتوں کو زیادہ بیٹیاں یا بیویاں ہی قرار دیتے تھے۔ اور یہی 'فرشتیاں' ان کے معبود تھے۔ قرآنِ کریم نے ان مشرکین عرب کے اس عقیدہ

www.KitaboSunnat.com

کوان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا﴾(الزخرف:۱۹)

''ان لوگوں نے فرشتوں کو، جو دراصل رحمٰن کے بندے ہیں، دیویاں بنا رکھا ہے۔''

اِن مشرکین کا ایک دیوتا 'ہبل' تھا۔ ابوسفیان سپہ سالارِ مشرکین مکہ نے جنگ اُحد کے اختتام پر أعلیٰ الهبل کہہ کر اس کے نام کا نعرہ لگایا تھا لیکن زیادہ تر ان کی دیویوں کی ہی پرستش ہوتی تھی۔ ایک دیوی کا نام 'لات' (الٰہ کا مؤنث) تھا جسے اللہ تعالیٰ کی بیوی سمجھا جاتا تھا۔ دوسری دیوی کا نام 'عزیٰ' (عزیز کی مؤنث) اور تیسری کا نام 'منات' تھا جو غالباً اللہ تعالیٰ کی لڑکی سمجھی جاتی تھی۔

لات کا استھان طائف میں تھا اور بنوثقیف اس کے پجاری اور اس حد تک معتقد تھے کہ عام الفیل میں جب ابرہہ ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ پر چڑھائی کرنے آیا تو ان ظالموں نے محض آستانہ لات کو بچانے کی خاطر اور مکہ کا رستہ بتلانے کے لئے اپنے آدمی فراہم کئے حالانکہ باقی اہل عرب کی طرح اہل ثقیف بھی یہ مانتے تھے کہ کعبہ اللہ کا گھر ہے۔

عزیٰ قریش کی خاص دیوی تھی اور اس کا استھان مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلۃ میں تھا۔ قریش اور دوسرے قبائل عرب اس کی زیارت کو آتے، نذریں چڑھاتے اور اس کے لئے قربانیاں کرتے تھے۔ کعبہ کی طرح اس کی طرف بھی قربانی کے جانور لے جائے جاتے اور تمام بتوں سے بڑھ کر اس کی عزت کی جاتی تھی۔

'منات' کا استھان مکہ اور مدینہ کے درمیان بحر احمر کے کنارے 'قدید' کے مقام پر واقع تھا۔ بنو خزاعہ اور اوس وخزرج کے لوگ اس کے بہت معتقد تھے۔ اس کا حج اور طواف کیا جاتا اور قربانیاں چڑھائی جاتیں۔ بیت اللہ کا حج کرنے والے جب طواف بیت اللہ اور عرفات اور منیٰ سے فارغ ہوجاتے تو وہیں سے 'منات' کی زیارت کے لئے لبیک پکارنا شروع کردیتے۔ اس طرح اس 'دوسرے حج' کرنے والوں کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے انہیں شرکیہ عقائد وافعال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الأُخْرٰى أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الأُنْثٰى تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى﴾ (النجم:۱۹تا۲۲) ''بھلا تم نے اس لات اور عزیٰ اور تیسری منات دیوی پر بھی کچھ غور کیا۔ کیا بیٹے تمہارے لئے ہیں اور بیٹیاں اللہ کے لئے؟ یہ تو سخت ناانصافی کی بات ہوئی!''

ان آیات کی رو سے مشرکین عرب تین کبیرہ گناہوں کے مرتکب تھے: (۱) غیر اللہ کی پرستش جو کہ قطعاً ناقابل معافی گناہ ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ٹھہرانا، جو شرک کی سب سے بڑی قسم ہے۔ (۳) اور اولاد بھی وہ جسے وہ اپنے لئے قطعاً پسند نہیں کرتے۔

www.KitaboSunnat.com

- حضرت ایوبؑ کی بیماری کی نوعیت
- آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا
- گنا کی اُدھار اور موجودہ قیمت میں فرق
- والدین کی ناراضگی میں اولاد کا فرض

☆ سوال: حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی نوعیت کیا تھی؟ کیا یہ صحیح ہے کہ ان کے سارے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے اور سارا جسم خراب ہوگیا تھا؟

جواب: قرآن مجید کے بیان سے واضح ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کسی شدید ترین بیماری میں مبتلا تھے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ کون سی بیماری تھی۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ غالباً حضرت ایوب علیہ السلام کسی سخت جلدی مرض میں مبتلا تھے۔ بائبل کا بیان بھی یہی ہے کہ سر سے پاؤں تک ان کا سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا تھا۔ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر خازن وغیرہ میں سوال میں مذکور اشارات موجود ہیں مگر نبی ﷺ سے کوئی مستند بات وارد نہیں تاہم بالاجمال صحیح حدیث میں ہے: "أشد الناس بلاء الانبياء" ''لوگوں میں شدید ترین آزمائشیں انبیاء علیہم السلام پر آئی ہیں۔''

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ایسی بیماری جس سے لوگ نفرت کا اظہار کریں، نبوت کے منافی ہے مثلاً پھوڑے نکل آنا، قوتِ سمع و بصر کا متاثر ہوجانا وغیرہ۔ کیونکہ انبیاء کی حیثیت راہنما کی ہے اور دعوت وتبلیغ کی خاطر عوام سے میل جول کی ضرورت ہے۔ نبی کو جب نفرت آمیز اَمراض لاحق ہوں تو کون اس کے قریب آئے گا؟ ایسی حالت میں نبی کما حقہ دعوتی واجبات ادا نہیں کرسکتا، اس لئے رسولوں کے لئے ضروری ہے کہ بہترین حالت اور خوبصورت ترین ہیئت میں ہوں۔ البتہ بتقاضا بشریت امراض کا لاحق ہونا درست ہے، بشرطیکہ متنفر کرنے والی نہ ہوں۔ (تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام الرحمٰن: حاشیہ ۲۵۳/۵)

میرے خیال میں مذکورہ وجوہات میں سے بعض محل نظر ہیں کیونکہ اللہ مختارِ کل ہے، وہ جیسے چاہے بندوں کی آزمائش کرے، کوئی اسے پوچھنے والا نہیں ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ﴾ (انبیاء:۲۳)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت ضائع ہونے کا قصہ تو قرآن میں موجود ہے تو پھر انکار کیسا!

بہرصورت حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری معمولی نوعیت کی نہیں تھی بلکہ وہ سخت تھی، اسی وجہ سے تو قرآن نے ان کا لقب 'صابر' رکھا ہے:

﴿ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾

''بے شک ہم نے ایوب کو صابر پایا، بہترین بندہ جو ہر وقت رجوع کرنے والا تھا۔''

☆ سوال: آنکھیں کھول کر ہی نماز پڑھنی چاہئے یا بند بھی کی جاسکتی ہیں؟ نص صریح کیا ہے؟

www.KitaboSunnat.com

جواب: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إذا قام أحدكم فی الصلاة فلا يغمض عينيه (رواه الطبرانی فی معجمه) یعنی ''تم میں سے جب کوئی آدمی نماز میں ہو تو وہ اپنی آنکھیں بند نہ کرے۔'' بعض سلف بھی اس بات کے قائل ہیں لیکن اس حدیث کے بارے میں امام عبدالرحمٰنؒ بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ هذا حديث منكر ''یہ حدیث منکر ہے'' منکر ضعیف کی اقسام میں سے ایک ہے، لہٰذا یہ حدیث نا قابل استدلال ہے۔

بیہقی اور مستدرک حاکم میں روایت ہے: "كان ﷺ إذا صلى طأطأ رأسه ورمى ببصره نحو الأرض" ''رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو سر جھکاتے اور نگاہ زمین کی طرف رکھتے'' (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: صفة الصلاة للالبانیؒ، صفحہ ۵۸)

☆ سوال: ایک عالم نے یہ بتایا کہ پہلی اولاد اگر بچی ہو تو وہ اللہ کی طرف سے خیر و برکت کا ذریعہ ہوتی ہے، کیا اس کے متعلق کوئی حدیث ہے؟

جواب: ایسی کوئی روایت نہیں کہ پہلی اولاد بچی ہو تو خیر و برکت کا ذریعہ بنتی ہے۔ ویسے مجموعی طور پر بیٹیوں کو باعثِ رحمت سمجھنا چاہئے کیونکہ حدیث میں آتا ہے

''جو شخص تین بیٹیوں کی پرورش کرے پھر ان کو ادب سکھائے اور ان پر شفقت کرے تو اللہ نے اس کے لئے جنت واجب کردی ہے۔'' (مشکوٰۃ: حدیث ۴۹۷۴)

اس فرمانِ نبویؐ کی رو سے بیٹی کو باعثِ رحمت قرار دیا جاتا ہے۔

☆ سوال: ایک محلّہ کے قریب حکومت نے کچھ جگہ قبرستان کے لئے وقف کی ہے مگر اس محلّہ کے لوگ اب دوسرے علاقہ کے لوگوں کو میت دفن کرنے سے منع کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔

جواب: وقف دو قسم کا ہوتا ہے، ایک عمومی اور دوسرا خصوصی۔ عمومی میں سب کا حق برابر ہوتا ہے جیسے مسجد ہے۔ جبکہ خصوصی وقف کے حقدار مخصوص افراد ہوتے ہیں۔

بالا صورت میں جگہ چونکہ حکومت نے دی ہے لہٰذا اس کی حیثیت کو دیکھنا ہوگا۔ اگر تو مخصوص محلّہ کے لئے دی ہے تو وہ دوسروں کو روک سکتے ہیں اور اگر سب کے لئے دی ہے تو کسی کو روکنے کا حق نہیں۔

☆ سوال: قبرستان ہموار کرکے رہائش گاہ بنانا یا برائے ضرورت مکان تعمیر کرنا کیسا ہے؟

جواب: مسلمانوں کے قبرستان کو ہموار نہیں کرنا چاہئے اور نہ وہاں رہائش کا سوچنا چاہئے۔ البتہ اگر نشانات مٹ چکے ہیں تو وہاں رہائش اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ قبرستان میں خریدا ہوا مکان اگر بے نشان جگہ پر ہے تو اس کا کوئی حرج نہیں اور اگر وہاں آثار موجود ہیں تو پھر وہاں رہائش اختیار کرنا درست نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

☆ سوال: زوجین بذریعہ طلاق ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرچکے ہیں، ان کی بالغ اولاد بوجوہ والدہ کے پاس ہے۔ جن اسباب و حالات کی بنا پر طلاق واقع ہوئی، ان میں اولاد کا بھی ایک کردار ہے۔ اب باپ اولاد کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور تمام فرائض شرعی (ان کی شادی، ملازمت اور جائیداد کی تولیت وغیرہ) خود انجام دینے کا خواہشمند ہے، مگر اولاد اپنی مطلقہ ماں کی حمایت میں اپنے والد کو والد ماننے اور اس کی تمام تر جائیداد کو اپنی جائیداد تسلیم کرنے اور لینے سے علی الاعلان انکاری ہے۔ اس صورت میں باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے اور اپنی جائیداد کے بارے میں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے۔ (ایم صدیق مان، گوجرانوالہ)

جواب: بلاشبہ اولاد کا انتساب باپ کی طرف ہے، بوقتِ ضرورت وہی اس کے نفقہ اور خرچہ کا ذمہ دار ہے۔ اولاد کو چاہئے کہ والد کے حق کی ادائیگی میں اس کا ساتھ دیں تاکہ وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکے۔ اور اگر وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہوں تو وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب اور اللہ کے ہاں جوابدہ ہوں گے۔

جبکہ دوسری طرف والدہ کے حق کی ادائیگی میں بھی بخل نہیں ہونا چاہئے۔ اگر والدہ نیکی میں کوتاہی کرے تو اولاد کو چاہئے کہ والدہ کو اچھا کردار اختیار کرنے کی تلقین کرے، نہ کہ اس کی حمایت میں اپنے آپ کو برباد کرلیا جائے۔ تاہم والد کو چاہئے کہ اللہ کے حضور بکثرت ان کی ہدایت کے لئے دعا گو ہو۔

زندگی میں والد کو اپنی جائیداد میں تصرف کا کل اختیار ہے لیکن اولاد کو محروم کرنے کی نیت سے نہیں۔ اولاد نافرمانی کے باوجود اس کی جائیداد سے محروم نہیں ہوگی کیونکہ شریعت میں جن اسباب کی بنا پر ورثا کو محروم کیا جاسکتا ہے، وہ ان میں نہیں پائے جاتے اور وہ تین ہیں: غلامی، قتل، اختلافِ دین۔

واضح ہے کہ والد کے دل و دماغ میں جب اولاد کی خیرخواہی کا احساس پیدا ہوگا تو یقیناً وہ اولاد کیلئے رشد وہدایت کی دعا کرے گا پھر بھی اولاد اس کی بات نہیں مانتی تو وہ ربّ کے حضور بری الذمہ قرار پائے گا۔

☆ سوال: ایک شخص نے حالتِ نشہ میں اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں دو دفعہ طلاق طلاق کہہ دی بعد میں صلح ہوگئی۔ عرصہ دو سال بعد گھریلو لڑائی میں پھر ایک مرتبہ طلاق کہہ دیا، کتاب وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ کیا تین طلاقیں ہوگئیں یا رجوع ہوسکتا ہے؟

جواب: نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی، چنانچہ امام بخاری ترجمۃ الباب کے عنوان کے تحت ذکر فرماتے ہیں: وقال عثمان ليس لمجنون ولا لسكران طلاق وقال ابن عباس طلاق السكران والمستكره ليس بجائز" حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ''دیوانے اور نشہ والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور ابن عباسؓ نے کہا: نشے والے اور جس پر زبردستی کی گئی ہو، ہر دو کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لہٰذا نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق تو واقع نہیں ہوئی البتہ بعد میں جو ایک دفعہ طلاق کہا، وہ واقع ہوچکی ہے لیکن یہ طلاقِ رجعی ہے جس کا مطلب یہ کہ عدت کے اندر رجوع ہوسکتا ہے اور عدت گزرنے

www.KitaboSunnat.com

کے بعد دوبارہ نکاح کا جواز ہے۔ اِس مقام پر تین طلاقوں کے مسئلہ کی بحث کو چھیڑنا بلامحل ہے جو لائق التفات نہیں۔

☆ **سوال**: آج کل گنے کے سیزن میں حکومت نے گنے کی قیمت ۳۵ روپے فی من مقرر کررکھی ہے۔ لیکن شوگر ملیں کاشتکاروں کو نقد ادائیگی نہیں کرتیں بلکہ دو تین ماہ، بعض اوقات سال بھر ادائیگیاں روکے رکھتی ہیں۔ کاشتکاروں کو ذاتی بیسیوں ضرورتیں ہوتی ہیں جس کے لئے انہیں گنے کی نقد قیمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ سستے نرخوں پر گنا کسی دوسرے آدمی کو فروخت کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

جس کی صورت یہ بنائی جاتی ہے کہ کاشتکار شوگر مل کو گنا دے کر سی پی آر (ایک رسید) حاصل کرلیتا ہے۔ اس سی پی آر پر گنا فروخت کرنے والے کا نام و پتہ، گنے کا وزن اور قیمت درج ہوتی ہے۔ کاشتکار یہ سی پی آر شوگر مل سے حاصل کرکے کسی دوسرے آدمی کو نقد ادائیگی اور کم قیمت پر فروخت کردیتا ہے۔

مثال کے طور پر سی پی آر پر گنے کا وزن ۴۰۰ من اور قیمت ۳۵ روپے فی من درج ہے جو مذکورہ شوگر مل کی طرف سے واجب الادا ہوتی ہے۔ لیکن کاشتکار یہ گنا ۳۰ روپے فی من کے حساب سے کسی دوسرے آدمی سے نقد رقم وصول کرکے سی پی آر اُسے دے دیتا ہے اور پھر خود یہ آدمی شوگر مل سے اصل رقم جو سی پی آر پر درج ہوتی ہے (یعنی ۳۵ روپے فی من) اُسے حاصل کرنے کا انتظار کرتا ہے۔

سوال: یہ ہے کہ گنے اور سی پی آر کی مذکورہ صورت میں خرید وفروخت جائز ہے؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔ (ثناء اللہ، کوٹ رادھا کشن)

جواب: اس صورت میں سی پی آر کی حیثیت نقدی کی ہے جبکہ دوسری طرف بھی نقدی ہے۔ لہٰذا دونوں کی حیثیت سونے اور چاندی جیسی ہے جن میں نقد کمی بیشی اور اُدھار دونوں طرح ناجائز ہے۔ اس بنا پر گنا کی قیمت ۳۵ روپے کے بجائے ۳۰ روپے وصول کرکے سی پی آر دوسرے کے سپرد کردینا ناجائز ہے، البتہ برابری کی صورت میں جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ جس طرح کہ سونے چاندی کی خرید وفروخت نقد برابری کی صورت میں جائز ہے۔ تاہم اس میں یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ سی پی آر میں اگر کوئی غلطی ہوئی تو جس کے نام یہ جاری ہوا ہے، خریدنے والے کو اس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر مکمل قبضہ کی شرط نہ پائی گئی جو اسلامی خرید وفروخت میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

بعینہٖ یہی اشکال برابری کی صورت میں بھی وارد ہوتا ہے۔ اس بنا پر علیٰ الاطلاق اس بیع سے احتراز کرنا چاہئے۔ لہٰذا ایسے حاجت مند کو چاہئے کہ شوگر ملز کے باہر ہی خریدار تلاش کرلے تاکہ بروقت اس کی غرض پوری ہوجائے۔ اور اگر سی پی آر پختہ کارگارنٹی ہے، کوئی بھی اسے کیش کرا سکتا ہے یہاں تک کہ غلطی کی اِصلاح کرنا بھی اصل مالک سے رجوع کئے بغیر ممکن ہے یا اس کی احتیاج باقی نہیں رہتی تو اس صورت میں رقم کی برابر کی شکل میں کوئی کلام نہیں، ورنہ اصل یہی ہے کہ دع ما یریبه الی مالا یریبه، یعنی

www.KitaboSunnat.com

شبہ والی شئ کے لین دین کرنے سے بچنا چاہئے۔

☆ سوال: گائے یا بھینس آٹھ مہینہ کی مدت کے اندر مردہ بچہ پیدا کرے تو اس کے دودھ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: جانور کا بچہ جب مردہ پیدا ہوجائے تو اس کا دودھ پینا جائز ہے کیونکہ اصل اباحت ہے اور کسی نص میں ممانعت وارد نہیں۔

☆ سوال: بچے کے کان میں اذان کتنے دن کے اندر کہی جائے؟ آیا دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اِقامت یا دونوں میں اذان دی جائے؟ (ڈاکٹر حق نواز قریشی، راولپنڈی)

جواب: اس بارے میں جو حدیث وارد ہے، اس میں یہ ہے کہ دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اِقامت اور اس میں ہے کہ ولادت والے دن اذان کہی جائے۔ لیکن اس حدیث کو علامہ البانیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۱/۴۹۳)

☆ سوال: ایک بے اولاد عورت جس کا خاوند، چار بھائی اور چار بہنیں زندہ ہیں۔ اس نے اپنا مکان مالیتی پندرہ لاکھ روپیہ چھوٹی بہن کے نام ہبہ کردیا ہے۔ آیا اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی تو نہیں ہوتی؟ (مرزا محمد عنایت اللہ)

جواب: صحت کی حالت میں آدمی اپنے مال کا کل یا بعض حصہ ہبہ کرسکتا ہے، چاہے کسی وارث کو دے یا غیر وارث کو، البتہ اولاد میں برابری ضروری ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث ہے کہ حضرت عمرؓ نے اللہ کی راہ میں آدھا مال دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے سارا دیا۔ تفصیلی قصہ امام ابوداود نے بسند حسن اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔ (باب الرخصۃ فی ذلک ۲/۵۴ مع عون المعبود) اس سے معلوم ہوا کہ ایسا تصرف درست ہے۔

☆ سوال: والد صاحب کے پلاٹ کی وارث تین بیٹے، تین بیٹیاں اور بیوی ہیں۔ اب اگر والدہ بغیر کچھ دیے بیٹیوں سے دستبرداری چاہیں تو شرعاً ان کو کیا تقاضے پورے کرنا ہوں گے یا بھائی بہنوں کو بغیر کچھ دیے اپنے حق میں دستبرداری چاہیں تو کس طرح ہوگی؟

جواب: احادیث میں ہے کہ والد کے لئے ضروری ہے کہ ہبہ میں اولاد کے درمیان مساوات کا اہتمام کرے۔ علماء سلف نے فرمایا: ہبہ میں جو حکم والد کا ہے، وہی والدہ کا ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ اولاد کے ناطے سے دونوں برابر ہیں، لہٰذا والدہ دوصنفوں میں سے کسی ایک صنف کو کوئی شے ہبہ نہیں کرسکتی۔ اس لحاظ سے والدہ بیٹیوں سے پلاٹ اپنے حق میں ہبہ کروا کے صرف بیٹوں کو دینے کی مجاز نہیں کیونکہ اسے تمام اولاد میں برابری کا حکم ہے۔ ہاں البتہ بھائی اگر بعض بہن بھائیوں کو کچھ دینا چاہے تو اس کی اجازت ہے کیونکہ مساوات کا حکم صرف اولاد میں ہے۔ ☆☆

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور مغرب

مولانا زاہد الراشدی، گوجرانوالہ
ابن مولانا سرفراز خاں صفدر

دینی مدارس اور بنیاد پرستی

دینی مدارس ..... پس منظر اور مقاصد

پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت کے طول وعرض میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے دینی مدارس ومکاتب کا موجودہ نظام ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد پیدا ہونے والے حالات کا نتیجہ ہے۔ اس سے قبل پورے برصغیر میں درسِ نظامی کا یہی نصاب تعلیمی اداروں میں رائج تھا جو مغل بادشاہت کے دور میں اس وقت کی ضروریات اور تقاضوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا تھا اور جو اَب بھی ہمارے دینی مدارس میں بدستور رائج چلا آ رہا ہے۔

فارسی اس دور میں سرکاری زبان تھی اور عدالتوں میں فقہ حنفی رائج تھی، اس لئے درسِ نظامی کا یہ نصاب اس دور کی دفتری اور عدالتی ضروریات کو پورا کرتا تھا اور دینی تقاضوں کی تکمیل بھی اس سے ہوجاتی تھی۔ اس لئے اکثر و بیشتر مدارس کا نصاب یہی تھا اور تقریباً تمام مدارس سرکار کے تعاون سے بلکہ سرکار کی بخشی ہوئی زمینوں اور جاگیروں کے باعث تعلیمی خدمات سرانجام دیتے چلے آ رہے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد جب دہلی کا اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی سے براہِ راست تاجِ برطانیہ کو منتقل ہوا اور باقاعدہ انگریزی حکومت قائم ہوگئی تو سرکاری زبان فارسی کی بجائے انگریزی کردی گئی اور عدالت سے فقہ حنفی کو خارج کرکے برطانوی قوانین نافذ کردیئے گئے، جس سے ہماری تعلیمی ضروریات دو حصوں میں منقسم ہوگئیں۔ دفتری اور عدالتی نظام میں شرکت کے لئے انگریزی تعلیم ناگزیر ہوگئی اور دینی وقومی ضروریات کے لئے درسِ نظامی کے سابقہ نظام کو برقرار رکھنا ضروری سمجھا گیا، جبکہ مدارس ومکاتب کا سابقہ نظام ختم کردیا گیا۔ علماء کی ایک بڑی تعداد جنگِ آزادی میں کام آ گئی، باقی ماندہ میں سے ایک کھیپ کالا پانی اور دیگر جیلوں کی نذر ہوگئی اور پیچھے رہ جانے والے لوگ شکست کے اثرات کو سمیٹتے ہوئے مستقبل کے بارے میں سوچنے میں مصروف ہوگئے۔ مدارس ومکاتب کے لئے مغل حکمرانوں کی عطا کردہ جاگیریں چھین لی گئیں اور اس طرح ۱۸۵۷ء سے پہلے کا تعلیمی نظام مکمل طور پر تتر بتر ہوکر رہ گیا۔

نئے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیمی ضروریات کے دو حصوں میں تقسیم ہوجانے کے بعد اہل

www.KitaboSunnat.com

دانش نے مستقبل کی طرف توجہ دی۔ سرسید احمد خان نے ایک محاذ سنبھال لیا اور دفتری وعدالتی نظام میں مسلمانوں کو شریک رکھنے کے لئے انگریزی تعلیم کی ترویج کو اپنا مشن بنا لیا، جبکہ دینی وقومی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے دینی تعلیم کا محاذ فطری طور پر علماءِ کرام کے حصہ میں آیا اور اس سلسلہ میں سبقت اور پیش قدمی کا اعزاز مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے رفقاء کو حاصل ہوا۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقا نے علی گڑھ میں انگریزی تعلیم کے کالجوں کا آغاز کیا اور مولانا محمد قاسم نانوتوی نے مدرسہ عربیہ کی بنیاد رکھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ سرسید احمد خان اور مولانا محمد قاسم نانوتوی دونوں ایک ہی استاذ مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے اور دونوں نے مختلف سمتوں پر تعلیمی سفر کا آغاز کیا جو آگے چل کر دو مستقل تعلیمی نظاموں کی شکل اختیار کر گئے۔ ابتدا میں سرسید احمد خان کے انگریزی کالج اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے مدرسہ عربیہ دونوں کی بنیاد عوامی چندہ اور امدادِ باہمی کے طریق کار پر تھی، لیکن بعد میں کالج اور اسکول کے نظام کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی اور رفتہ رفتہ پورا نظام سرکار کی تحویل میں آ کر مصارف واخراجات کے جھنجھٹ سے آزاد ہوگیا، جبکہ دینی مدارس سرکاری سرپرستی سے آزاد رہے جس کی وجہ سے انہیں اپنے اخراجات وضروریات کے لئے ہر دور میں عوامی چندہ پر انحصار کرنا پڑا اور آج بھی یہ صورتِ حال بدستور قائم ہے۔ دینی مدارس کے اس آزادانہ اور متوازی نظام کے بنیادی مقاصد درج ذیل تھے:

- ☆ قرآن وسنت، عربی اور دیگر اسلامی علوم کی حفاظت اور مسلم معاشرہ کا ان سے تعلق برقرار رکھنا۔
- ☆ مساجد و مدارس کے نظام کو قائم رکھنا اور ان کے لئے ائمہ، خطباء اور مدرّسین کی فراہمی۔
- ☆ یورپ کی نظریاتی اور تہذیبی یلغار کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی طرزِ معاشرت اور عقائد کی حفاظت.
- ☆ جدید عقلیت کے پیدا کردہ اعتقادی ونظریاتی فتنوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری تھا کہ یہ مدارس سرکار کے اثر سے آزاد رہیں اور ایسا تعلیمی نصاب و نظام اختیار کریں کہ اس کے تیار کردہ افراد صرف ان کے مقاصد کے خانہ میں فٹ ہوسکیں۔ اس بات کو زیادہ بہتر طور پر واضح کرنے کے لئے ایک واقعہ بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو میں نے مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کے خطیب حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ کی زبانی سنا۔ ان کی روایت کے مطابق یہ اس دور کا واقعہ ہے جب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا محمد قاسم نانوتوی کے فرزند مولانا حافظ محمد احمد تھے۔ اس دور میں دارالعلوم کے فارغ التحصیل کچھ نوجوان حیدرآباد دکن کی ریاست میں ملازمتوں پر فائز ہوئے اور کارکردگی اور صلاحیت کے لحاظ سے دوسرے ملازمین سے بہتر ثابت ہوئے۔ مولانا حافظ محمد احمد کے دورۂ حیدرآباد کے موقع پر نظام حیدرآباد نے انہیں پیش کش کی کہ اگر دارالعلوم اپنے نصاب میں ہماری ضروریات کے مطابق بعض مضامین کا اضافہ کردے تو ہم فضلائے دارالعلوم کو ملازمتیں دیں گے اور

www.KitaboSunnat.com

دارالعلوم کے سالانہ اخراجات کا بار، ہم خود اٹھائیں گے۔ مولانا حافظ محمد احمد نے دیوبند واپسی پر یہ پیش کش دارالعلوم کے صدر مدرّس شیخ الہند مولانا محمود حسن کے سامنے رکھی۔ انہوں نے خود کوئی مشورہ دینے کی بجائے حافظ محمد احمد صاحب کو دارالعلوم کے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں بھیج دیا جو اس وقت بقیدِ حیات تھے۔ انہوں نے مولانا حافظ محمد احمد سے نظام حیدرآباد کی پیش کش کے بارے میں سن کر جو جواب دیا وہ حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ صاحب کے الفاظ میں یوں تھا:

''بھاڑ میں جائے حیدرآباد کی ریاست! ہم اس ریاست کو چلانے کے لئے طلبہ کو نہیں پڑھا رہے۔ ہم تو اس لئے پڑھاتے ہیں کہ مسجدیں اور قرآن کے مکاتب آباد رہیں اور مسلمانوں کو نمازیں اور قرآن کریم پڑھانے والے ائمہ اور اساتذ ملتے رہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس میں انگریزی تعلیم کا داخلہ بند رہا۔ اگر حضرت گنگوہی ہی اس پیش کش کو قبول کر لیتے تو علماء اور دینی طلبہ لازماً سرکاری ملازمت کو ترجیح دیتے اور دینی مدارس سے فارغ ہونے والوں کی ایک بڑی کھیپ بھی اسی طرف منتقل ہوجاتی جس سے دینی مدارس کے قیام کا بنیادی مقصد فوت ہوجاتا۔ جبکہ دینی مدارس کے نظام کا آغاز کرنے والوں کے ذہن میں سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ ایسی کھیپ تیار ہو جو قرآن پاک کے مکاتب کو آباد رکھے، اس لئے حکمتِ عملی کے تحت عملاً ایسا طریقہ اختیار کیا گیا کہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات مسجد و مدرسہ کے سوا کسی دوسری جگہ نہ کھپ سکیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حوالے سے یہ حکمتِ عملی کامیاب رہی۔ اس کے نتیجہ میں برصغیر کے طول وعرض میں دینی مدارس و مکاتب کا جال بچھ گیا اور مساجد میں ائمہ وخطباء کی کھیپ بھی فراہم ہوتی رہی۔

دینی مدارس کے منتظمین نے ان مقاصد کے حصول کے لئے کیا کیا جتن کئے؟ یہ ایک الگ داستان ہے جس کی تفصیلات کی اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے تاہم اس قدر عرض کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے سہولتوں کی زندگی ترک کر کے فقر و فاقہ اور تنگی وترشی کی زندگی اختیار کی۔ لوگوں سے صدقات و خیرات مانگ کر مدارس کو آباد رکھا۔ بلکہ کچھ عرصہ پہلے تک تو محلّہ کے ایک ایک گھر سے روٹیاں مانگنے کا سلسلہ بھی قائم رہا۔ اس لئے یہ بات بلا جھجک کہی جاسکتی ہے کہ علماء کے اس طبقہ نے اپنی 'عزتِ نفس' تک کی قربانی دے کر معاشرہ میں قرآن و حدیث کی تعلیم اور اسلامی عقائد و معاشرت کو برقرار رکھا۔ ورنہ عالم اسباب میں اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو سپین کی طرح برصغیر پاک و ہند میں بھی (نعوذ باللہ) اسلام ایک قصہ پارینہ بن چکا ہوتا۔ صدقہ و خیرات، گھر گھر سے مانگی ہوئی روٹیوں اور عام لوگوں کے چندوں کی بنیاد پر قائم ہونے والا دینی مدارس کا یہ نظام برطانوی استعمار کی نظریاتی، فکری اور تہذیبی یلغار کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لئے ایک مضبوط حصار ثابت ہوا اور اس نظام نے نہ صرف برصغیر پاک و ہند، بنگلہ دیش کے مسلمانوں

www.KitaboSunnat.com

کے عقائد و افکار، معاشرت اور اسلامی علوم وفنون کی حفاظت کی بلکہ تحریکِ آزادی اور تحریک پاکستان کو نظریاتی راہنما مہیا کئے جن میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا سید محمد داود غزنوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے ہزار ہا رفقا بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔

دورِ غلامی میں دینی مدارس کی حکمت عملی وقتی تھی جس کے لئے انہیں بہت سے تحفظات اختیار کرنے پڑے اور اگر وہ ان تحفظات کے بارے میں سختی اختیار نہ کرتے تو اپنے بنیادی مقاصد کی طرف اس قدر کامیابی کے ساتھ پیش رفت نہ کر پاتے، لیکن قیامِ پاکستان کے بعد صورت حال خاصی تبدیل ہوگئی اور آزادی کے حوالہ سے نئے تقاضے اور ضروریات سامنے آ گئیں جن کے بارے میں دینی مدارس کی تمام تر مجبوریوں اور مشکلات کے باوجود بہر حال یہ کہنا پڑتا ہے کہ نئی ضروریات اور تقاضوں کو اپنے مقاصد میں شامل کرنے کے لئے وہ ابھی تک تیار نہیں ہوئے جس کے نقصانات قومی سطح پر بہت دیر تک محسوس کئے جاتے رہیں گے۔

دینی مدارس، آزادیٔ وطن کے بعد

قیامِ پاکستان کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ مساجد و مدارس کے لئے رجالِ کار کی فراہمی اور اسلامی علوم کی ترویج و تحفظ کی ذمہ داری ریاستی نظامِ تعلیم کے سپرد کردی جاتی اور دینی مدارس کے الگ نظام کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی، لیکن ریاستی نظامِ تعلیم نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کردیا بلکہ ریاستی نظامِ تعلیم نے قیامِ پاکستان کے بعد آزادی اور ایک اسلامی ریاست کے مقاصد کے حوالہ سے اس قدر مایوس کیا کہ آزاد قوموں کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ریاستی نظامِ تعلیم کی ذمہ داری تھی کہ وہ:

- ☆ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی نظریاتی ریاست کی حیثیت دینے اور ایک فلاحی اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے فوج، بیوروکریسی، عدلیہ اور دیگر قومی شعبوں میں اسلامی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور افرادِ کار مہیا کرتا۔
- ☆ معاشرہ کے عام افراد کو قرآن وسنت کی ضروری تعلیم سے آراستہ کرنے کا اہتمام کرتا۔
- ☆ مساجد اور دینی مکاتب کا نظام چلانے کے لئے ائمہ اور مدرّسین کی فراہمی کی ذمہ داری قبول کرتا۔
- ☆ اسلامی تعلیمات واحکام کو عالمی برادری کے سامنے نئے انداز اور اسلوب سے پیش کرنے کے لئے اسکالرز تیار کرتا اور انہیں جدید علوم اور فلسفہ کے چیلنج کا سامنا کرنے کی تربیت دیتا۔

لیکن ریاستی نظامِ تعلیم نے نہ صرف یہ کہ ان ذمہ داریوں کو قبول کرنے سے انکار کردیا بلکہ عملاً یہ

www.KitaboSunnat.com

نظام سیکولر اور اسلام مخالف عناصر کی کمین گاہ ثابت ہوا اور پاکستان میں اسلامی احکام وتعلیمات کی ترویج کو روکنے اور اس کی اسلامی حیثیت کو غیر مؤثر بنانے میں اس نظام تعلیم نے مضبوط مورچے کا کام دیا، جبکہ اس کے برعکس دینی مدارس نے جو ذمہ داریاں ۱۸۵۷ء کے بعد قبول کی تھیں، ان پر وہ آج بھی پوری دلجمعی کے ساتھ گامزن ہیں اور ان کے طریقہ کار اور دائرۂ عمل میں کوئی فرق نمودار نہیں ہوا بلکہ اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ اسلامی علوم کی حفاظت وترویج اور مساجد و مدارس کے لئے ائمہ واساتذہ کی فراہمی کے لئے دینی مدارس کے کردار کا تسلسل کسی خلا اور تعطل کے بغیر بدستور قائم ہے تو ریاستی نظام تعلیم کے تقابل کے تناظر میں دینی مدارس کا یہ کردار بڑے سے بڑے قومی اعزاز کا مستحق ہے، کیونکہ آج بھی ان دو مقاصد کے حوالے سے معاشرہ کی ضروریات یہی دینی مدارس پوری کررہے ہیں اور اگر دینی مدارس اپنا یہ کردار چھوڑ دیں تو مساجد و مدارس کے لئے ائمہ واساتذہ کی فراہمی اور اسلامی علوم کی ترویج وحفاظت کے شعبہ میں جو خلا واقع ہوگا، وہ کسی باشعور مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

دینی مدارس کے موجودہ کردار اور خدمات کے بارے میں عام طور پر شکایات کا اظہار کیا جاتا ہے اور شکوہ کرنے والوں میں ہم بھی شامل ہیں، لیکن ان شکایات اور دینی مدارس کی مشکلات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ صحیح صورتِ حال سامنے آسکے۔

دینی مدارس سے سب سے بڑی شکایت یہ کی جاتی ہے کہ ان کے نصاب میں آج کے علوم شامل نہیں ہیں اور وہ اپنے طلبہ کو انگریزی، ریاضی، سائنس، انجینئرنگ اور دیگر عصری علوم کی تعلیم نہیں دیتے۔ یہ شکایت ایسی ہے جسے نہ تو پوری طرح قبول کیا جاسکتا ہے اور نہ مسترد کیا جاسکتا ہے، کیونکہ جہاں تک عصری علوم کی مکمل تعلیم کا سوال ہے وہ نہ تو دینی تعلیم کے نصاب کے ساتھ پوری طرح شامل کی جاسکتی ہے اور نہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ شامل اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ مستند اور پختہ عالم دین کا مقام حاصل کرنے کے لئے فارسی وعربی، صرف ونحو، قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، معانی وادب اور منطق وفلسفہ جیسے ضروری علوم کا ایک مکمل نصاب ہے جسے پوری طرح پڑھے بغیر کوئی شخص 'عالم دین' کے منصب پر فائز نہیں ہوسکتا اور یہ نصاب بایں قدر بھاری بھرکم ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے علم یا فن کے مکمل نصاب کو شامل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر اس نصاب میں کمی کی جائے تو دینی علوم میں مہارت کا پہلو تشنہ رہ جاتا ہے اور ضروری اس لئے نہیں ہے کہ یہ تخصصات اور سپشلائزیشن کا دور ہے۔ اب ہر شعبہ کے لئے الگ ماہرین تیار ہوتے ہیں اور کسی ایک شعبہ کے ماہر کے لئے ضروری نہیں کہ وہ دوسرے شعبہ کی مہارت بھی رکھتا ہو، مثلاً کسی انجینئر کے لئے قطعی طور پر یہ ضروری نہیں کہ اس نے میڈیکل علم بھی حاصل کررکھا ہو، اسی

www.KitaboSunnat.com

طرح کسی عالم دین کے لئے بھی یہ ضروری نہیں کہ اس نے میڈیکل سائنس، انجینئرنگ یا کسی اور شعبہ میں بھی مہارت رکھتا ہو۔ تاہم ایک فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ جہاں تک کسی شعبہ میں پوری مہارت اور مکمل تعلیم کا تعلق ہے، وہ تو کسی دوسرے شعبہ کے فرد کے لئے ضروری نہیں ہے لیکن بنیادی اور جنرل معلومات ہر شعبہ کے بارے میں حاصل ہونی چاہئیں اور اس کی اہمیت وضرورت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی ڈاکٹر یا انجینئر کے لئے عالم دین ہونا ضروری نہیں مگر دین کی بنیادی معلومات ومسائل سے آگاہی ان کے لئے لازمی ہے تاکہ وہ اپنے شعبہ میں دینی احکام کے دائرہ کو ملحوظ رکھ سکیں، اسی طرح ایک عالم دین کے لئے ڈاکٹر یا انجینئر ہونا ضروری نہیں البتہ ان شعبوں کے بارے میں بنیادی معلومات علماء کو ضروری طور پر حاصل ہونی چاہئیں تاکہ وہ ان شعبوں کے افراد کی دینی راہنمائی صحیح طور پر کرسکیں۔

اسی طرح انگریزی آج کی بین الاقوامی زبان ہے، اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صف آرا عالمی میڈیا کی زبان ہے اور پاکستان کی دفتری اور عدالتی زبان ہے۔ اس لئے عربی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان سے کماحقہ بہرہ ور ہونا علماء کے لئے آج کے دور میں ضروری ہے۔ اس بنا پر ہم دینی مدارس کے نصابِ تعلیم میں کسی بنیادی تبدیلی یا تخفیف کی حمایت تو نہیں کریں گے البتہ اس میں انگریزی زبان اور میڈیکل سائنس، جنرل سائنس، انجینئرنگ اور دیگر عصری علوم کے بارے میں بنیادی معلومات کی حد تک نصاب کے اضافے کو ضروری سمجھتے ہیں اور دینی مدارس کو اس طرف ضرور توجہ دینی چاہئے۔

اس سلسلہ میں دینی مدارس کی مشکلات کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً ان کی ایک بنیادی مشکل یہ ہے کہ جو طلبہ انگریزی یا دیگر عصری علوم سے آراستہ ہوجاتے ہیں اور سرکاری اسناد حاصل کرلیتے ہیں ان کی اکثریت مساجد اور دینی مدارس کی بجائے ملازمت کے لئے سرکاری اداروں کا رخ کرتی ہے جس کی وجہ سے مساجد و مدارس کو ضرورت اور ان کے معیار کے مطابق ائمہ، خطباء اور مدرّس میسر نہیں آتے۔ ظاہر بات ہے کہ مساجد و مدارس میں مشاہروں اور دیگر سہولتوں کا مروّجہ معیار کسی طرح بھی اس درجہ کا نہیں ہے کہ کوئی خطیب، امام یا مدرّس اطمینان کے ساتھ ایک عام آدمی جیسی زندگی بسر کرسکے۔ پھر یہاں ملازمت کا تحفظ بھی نہیں ہے، اس لئے جسے سرکاری ملازمت میں جانے کا راستہ مل جاتا ہے وہ لازماً ادھر کا رخ کرے گا اور مساجد و مدارس کے لئے رجالِ کار کے فقدان اور خلا کا مسئلہ پریشان کن صورت اختیار کرجائے گا۔

اس موقع پر حضرت مولانا مفتی محمود کے ساتھ ایک گفتگو کا حوالہ دینا شاید نامناسب نہ ہو۔ یہ اس دور

www.KitaboSunnat.com

کی بات ہے جب جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے وفاقی شرعی عدالت کے قیام کے بعد ضلع اور تحصیل کی سطح پر شرعی قاضی مقرر کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور قاضی کورس کے لئے آرڈیننس کے نفاذ کی تیاری ہورہی تھی۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب راولپنڈی کینٹ کے ملٹری ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سلسلہ میں اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ مجھے پریشانی یہ تھی کہ پاکستان بھر میں ضلع اور تحصیل کی سطح پر مقرر کرنے کے لئے اس قدر تربیت یافتہ قاضی کہاں سے آئیں گے؟ اگرچہ اس زمانے میں بعض دینی اداروں نے قاضیوں کی تربیت کے لئے چار ماہ یا چھ ماہ اور ایک سال کے کورس شروع کررکھے تھے، لیکن میں ان سے مطمئن نہیں تھا کہ قاضی بہرحال قاضی ہوتا ہے اور سال چھ ماہ کا کورس کسی شخص کو قاضی نہیں بنا سکتا اور اگر ہم نے پاکستان میں قاضی کورٹس کا آغاز اس طرح کے نیم قاضیوں سے کیا تو اسلام کے عدالتی نظام کا پہلا تاثر ہی اپنے نتائج کے لحاظ سے نقصان کا باعث بن سکتا ہے، چنانچہ میں نے مولانا مفتی محمود سے سوال کیا کہ حضرت! یہ قاضی کہاں سے آئیں گے؟ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ جن مدرّسین نے دینی مدارس میں 'ہدایہ' کی سطح تک کتابیں چار پانچ سال پڑھائی ہیں وہ نظامِ قضا کے مختصر کورس کے بعد قضا کا منصب سنبھال سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اسے تسلیم کرتا ہوں، لیکن پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ ضلع اور تحصیل کی سطح پر قاضی مقرر کرنے کے لئے پاکستان کے اضلاع اور تحصیلوں کی تعداد کے مطابق اس سطح کے مدرّسین مل جائیں تو انہیں عدالتوں میں بھیج کر دینی مدارس میں 'ہدایہ' کی سطح کی کتابیں کون پڑھائے گا؟ اس سوال کے جواب میں حضرت مفتی محمود صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ٹال دیا۔ لیکن میں نے ان کے چہرے کی سلوٹوں سے اندازہ لگالیا کہ اس سوال نے خود انہیں پریشان کردیا ہے۔

دینی مدارس کو ابھی تک اپنے وجود کے تحفظ اور اپنے کردار کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے تحفظات کی فضا کا سامنا ہے اور وہ اپنے تیار کردہ افراد کو مسجد و مدرسہ تک محدود رکھنے کے لئے کچھ تحفظات اختیار کئے ہوئے ہیں تو ان کی اس مشکل کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پھر ایک اور پہلو سے بھی اس مسئلہ کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ وہ یہ کہ اس وقت پاکستان بھر میں مساجد میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دینے والے افراد میں 'مستند' کا تناسب کیا ہے؟ اگر اس کا غیر جانبدارانہ سروے کیا جائے تو غیر مستند ائمہ وخطبا کا تناسب مستند حضرات سے کہیں زیادہ ہوگا اور ہمارے ہاں مذہبی معاملات میں خرابیوں کی ایک بڑی وجہ یہ ہے، جس کی طرف اکثر حضرات کی توجہ نہیں ہے اور جو اہل دانش اس کا ادراک رکھتے ہیں وہ کسی فتوے کی زد میں آجانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے اور اسلامی نظریاتی ریاست ہونے کے ناطے سے سٹیٹ کی ذمہ داری

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ جس طرح دوسرے شعبوں میں 'اَن کوالیفائیڈ' افراد کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کوالیفائیڈ افراد کی فراہمی پر زور دیا جاتا ہے، امامت وخطابت اور دینی تعلیم کے شعبہ میں بھی ان کوالیفائیڈ افراد کا تناسب کم سے کم کرنے اور بالآخر اسے ختم کرنے کی پالیسی اختیار کی جائے اور جس طرح ملک میں خواندگی کا تناسب بہتر بنانے کے لئے بجٹ مخصوص کیا جاتا ہے، دینی شعبہ میں کوالیفائیڈ افراد کا تناسب بڑھانے کے لئے دینی مدارس کی حوصلہ افزائی کی جائے اور قومی تعلیمی بجٹ میں ان کے لئے معقول حصہ مختص کیا جائے۔

دینی مدارس سے دوسری شکایت یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مختلف شعبوں بالخصوص عدلیہ میں مطلوبہ معیار کے رجالِ کار کی فراہمی کو دینی مدارس کے نظام نے اپنے مقاصد میں شامل نہیں کیا۔ یہ کام بھی اگرچہ اصلاً ریاستی نظامِ تعلیم کا تھا لیکن ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ ریاستی نظامِ تعلیم نے اس سمت سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی اور اس کے بعد اس خلا کو پر کرنے کے لئے لوگوں کی نظریں بہرحال دینی مدارس کی طرف اُٹھتی ہیں۔ اگر دینی مدارس اپنے نصابِ تعلیم کا از سرنو جائزہ لے کر اسلام کو بطورِ نظام زندگی دوسرے مروّجہ نظاموں کے ساتھ تقابل کے ساتھ پڑھانے کا اہتمام کرتے اور اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے حدیث وفقہ کے ابواب کو ضروری اہمیت کے ساتھ پڑھایا جاتا تو دینی مدارس سے فارغ ہونے والے علماء کرام اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد کے تربیت یافتہ اور شعوری کارکن ثابت ہوتے اور اس کے ساتھ اگر تجارت، عدالت، انتظامیہ اور دیگر شعبوں کے افراد کے لئے ہلکے پھلکے کورسز تیار کرکے انہیں دینی مدارس کے تعلیمی دائرہ میں شریک کرلیا جاتا تو اسلامی نظام کے لئے رجالِ کار کی فراہمی کی ایک اچھی بنیاد مل سکتی تھی، لیکن ایسا نہیں ہوا اور اس کے نتائج آج معاشرہ میں فکری انتشار اور اخلاقی انارکی کی صورت میں سب کے سامنے ہیں۔

دینی مدارس سے تیسری شکایت اسلام کے بارے میں مغربی لابیوں اور ورلڈ میڈیا کے منفی پراپیگنڈہ کی صورت میں سامنے آنے والے چیلنج کو نظر انداز کرنے کی ہے۔ آج اقوامِ متحدہ کے چارٹر، جنیوا انسانی حقوق کمیشن کی قرار دادوں اور بنیادی حقوق کے مغربی تصورات کے حوالہ سے اسلامی احکام اور قوانین کا مذاق اڑایا جارہا ہے، جرائم کی شرعی سزاؤں کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا جارہا ہے۔ ارتداد اور توہین رسالتؐ پر قدغن کے بارے میں اسلامی قوانین کو آزادیٔ رائے کے بنیادی حق سے متصادم کہا جارہا ہے اور دنیا میں کسی بھی اسلامی معاشرہ کے قیام کو قرونِ وسطیٰ کے ظالمانہ دور کی واپسی سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ اس چیلنج کا سامنا کرنے اور آج کی زبان میں اسلام کو انسانی حقوق کے علمبردار اور محافظ نظام کے طور پر پیش کرنے کے لئے لوگوں کی نظریں ان دینی اداروں کی طرف اٹھتی ہیں اور عام مسلمان یہ توقع کرتا ہے

www.KitaboSunnat.com

کہ جس طرح دینی مدارس کے نظام نے برطانوی استعمار کے دور میں اعتقادی اور معاشرتی فتنوں کا دلجمعی سے مقابلہ کیا تھا، آج بھی وہ مغربی فلسفہ کی نئی اور تازہ دم یلغار کے سامنے خم ٹھونک کر میدان میں آئے گا، مگر چند استثناؤں کو چھوڑ کر دینی مدارس میں اس چیلنج کے اِدراک کی فضا ہی سرے سے موجود نہیں جو بلا شبہ ایک بہت بڑا المیہ ہے!!

دینی مدارس سے چوتھی شکایت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اساتذہ اور طلبہ کو گفتگو اور مباحثہ کے نئے اُسلوب اور ہتھیاروں سے روشناس نہیں کرایا۔ فتویٰ اور مناظرہ کی زبان قصہ پارینہ بن چکی ہے مگر دینی مدارس بلکہ ہمارے منبر ومحراب پر بھی ابھی تک اسی زبان کا سکہ چلتا ہے۔ اخبارات پڑھنے والے اور ٹی وی دیکھنے والوں کے لئے ہماری زبان اور اُسلوبِ بیان دونوں اجنبی ہو چکے ہیں مگر وہ کوئی پروا کئے بغیر اسی ڈگر پر قائم ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر دینی مجالس میں تعلیم یافتہ لوگوں کا تناسب دن بدن کم ہوتا جارہا ہے۔ آج کی زبان منطق واستدلال کی زبان ہے، مشاہدات کی زبان ہے اور انسانی حقوق کے حوالے سے گفتگو کی زبان ہے مگر دینی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ کی اکثریت اس زبان سے ناآشنا ہے اور ستم بالائے ستم کہ اچھا بولنے اور اچھا لکھنے والوں کا تناسب جو دینی حلقوں میں پہلے ہی بہت کم تھا، مزید کم ہوتا جارہا ہے۔ انگلش اور عربی تو رہی ایک طرف، اُردو زبان میں اپنے مافی الضمیر کو اچھی تحریر کی صورت میں پیش کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ ایک پختہ کار عالم دین نے شکایت کی کہ فلاں قومی اخبار کو میں نے درجنوں مضامین بھجوائے ہیں، ان میں سے ایک بھی شائع نہیں ہوا۔ میں نے اس اخبار کے ایڈیٹر سے بات کی تو انہوں نے جواب دیا کہ جو مضمون ہمیں پورا از سرِ نو لکھنا پڑے، اسے شائع کرنے کا تکلف ہم کس طرح کر سکتے ہیں؟

دینی مدارس سے پانچویں شکایت یہ ہے کہ دینی اور اخلاقی تربیت کا ماحول جو عرصہ پہلے ان مدارس میں قائم رہا ہے، وہ ختم ہوتا جارہا ہے اور گنتی کے چند اداروں کے سوا دینی مدارس کی اکثریت ایسی ہے جن میں طلبہ کی فکری، دینی اور اخلاقی تربیت کا نظام موجود نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مدارس سے فارغ ہونے والے فضلا کی اکثریت کے ذہنوں میں مشنری جذبہ کے طور پر کوئی واضح اور متعین مقصدِ زندگی نہیں ہوتا اور اگر کسی کے ذہن میں کوئی مقصد ہو بھی تو اس کے مطابق اس کی تربیت نہیں ہوتی اور اس کے نقصانات بھی قدم قدم پر سامنے آرہے ہیں۔

دینی مدارس سے چھٹی شکایت یہ ہے کہ ان کا باہمی ربط ومشاورت کا نظام انتہائی کمزور ہے۔ پہلے تو بالکل نہیں تھا مگر کچھ عرصہ سے تمام مذہبی مکاتبِ فکر کے مدارس نے اپنے اپنے 'وفاق' قائم کر لئے ہیں جو

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ فرقہ وارانہ بنیادوں پر ہیں لیکن اپنے اپنے مکتبِ فکر کی حد تک انہوں نے باہمی ربط کا ایک نظام قائم کرلیا ہے جس سے امتحانات کی صورت حال بہتر ہوئی ہے اور کچھ دیگر فوائد بھی سامنے آئے ہیں، لیکن معاشرہ میں دینی مدارس کی کارکردگی اور اثرات کا دائرہ جس قدر وسیع ہے، اس کے مطابق موجودہ ربط ونظم قطعی طور پر ناکافی ہے، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ مدارس کے قیام میں کوئی منصوبہ بندی اور ترجیحات نہیں ہیں۔ جہاں جس کا جی چاہتا ہے ضروریات اور تقاضوں کو ملحوظ رکھے بغیر کسی بھی معیار اور سائز کا دینی ادارہ قائم کرلیتا ہے اور چونکہ ان کی چیکنگ کا کوئی نظام موجود نہیں ہے، اس لئے کارکردگی اور اخراجات کا دائرہ شخص واحد یا زیادہ سے زیادہ اس کے منظورِ نظر اشخاص تک پھیلا ہوتا ہے جو تعلیمی اداروں کی بجائے 'مذہبی دکانیں' کہلانے کے زیادہ حقدار ہیں اور ان میں مالی بدعنوانیوں کا سلسلہ دراز ہوتا جارہا ہے۔

ضیاء الحق مرحوم کے دور میں سرکاری زکوٰۃ کا ایک حصہ دینی مدارس کے لئے مخصوص کیا گیا تو اس کے حصول کے لئے دنوں میں کئی مدرسے وجود میں آگئے اور پھر سرکاری زکوٰۃ کی رقم حاصل کرنے کے لئے رشوت، سفارشات اور بدعنوانیوں کے جو دروازے کھلے، انہوں نے دینی اداروں کو بھی دیگر سرکاری محکموں کی صف میں لاکھڑا کیا۔ اس سلسلہ میں دینی مدارس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ میں وہ معیاری دینی ادارے ہیں جنہوں نے سرکاری زکوٰۃ کی وصولی سے گریز کیا اور اپنی چادر کے دائرے میں پاؤں پھیلانے کے باوقار طریق کار پر گامزن رہے۔ دوسرے نمبر پر وہ دینی ادارے ہیں جو اپنی کارکردگی اور معاملات میں دیانت اور اعتماد کے معیار پر پورے اترتے ہیں اور انہوں نے سرکاری زکوٰۃ وصول کرکے اسے صحیح مصرف پر صرف کیا۔ اور تیسرے نمبر پر وہ مدارس ہیں جنہوں نے سرکاری زکوٰۃ وصول اور خرچ کرنے میں کسی دینی اور اخلاقی معیار کی پابندی کا تکلف گوارا نہیں کیا۔ بدقسمتی سے سرکاری ریکارڈ میں تیسری قسم کے مدارس کی فہرست زیادہ لمبی ہے اور دینی مدارس کے مجموعی نظام کے بارے میں سرکاری محکموں کی رائے قائم ہونے میں یہی فہرست بنیاد بن رہی ہے۔

پھر چند بڑے اور معیاری دینی مدارس کو چھوڑ کر اکثر و بیشتر دینی مدارس نے عوامی چندہ کے حصول کے لئے جو طریقے کچھ عرصہ سے اختیار کرلئے ہیں، انہوں نے چندہ دینے والے اصحابِ خیر کو پریشان کردیا ہے اور اس سے مدارس کی نیک نامی اور اعتماد مجروح ہورہا ہے۔ کراچی، لاہور، فیصل آباد اور گوجرانوالہ جیسے کاروباری شہروں میں رمضان المبارک کے دوران مساجد اور دکانوں پر دینی مدارس کے سفیروں کی جو یلغار ہوتی ہے اور لوگوں کی توجہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے گفتگو کا جو اسلوب

www.KitaboSunnat.com

اختیار کیا جاتا ہے، اس سے دینی اداروں کے اعتماد اور وقار کا گراف تیزی کے ساتھ نیچے جارہا ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ کی بات نہیں کہ کاروباری شہروں میں بہت سے دکاندار رمضان المبارک کے دوران سفیروں کی یلغار کے خوف سے خود اپنی دکانوں پر بیٹھنے سے کترانے لگے ہیں اور مساجد میں نمازوں کے بعد کھڑے ہوکر اپیل کرنے والے سفیروں کو اب نمازیوں نے ٹوکنا شروع کردیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پریشان کن صورتحال پاکستان سے باہر لندن میں دیکھنے میں آتی ہے جہاں پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے مدارس کے سفراء نماز کے بعد کھڑے ہوکر اپنے مدرسے کے لئے اپیل کرتے ہیں اور پھر دروازے پر رومال بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں، جہاں نمازی گزرتے ہوئے پاؤنڈ اور سکے پھینکتے جاتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے جیسے حساس دینی کارکن کی نظریں شرم سے زمین پر گڑ جاتی ہیں۔ ابھی چند ماہ قبل لندن میں ایک مسلم نوجوان کا مراسلہ شائع ہوا، جس میں اس نے بتایا کہ برطانیہ میں پلنے بڑھنے والے مسلمان نوجوانوں کی اکثریت مساجد میں اس لئے نہیں آتی کہ ایک تو ائمہ اور خطباء کی زبان ان کی سمجھ میں نہیں آتی، دوسرے جن موضوعات پر وہ گفتگو کرتے ہیں ان سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے، تیسرے ہر نماز کے بعد کسی نہ کسی مدرسہ کا سفیر چندہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور ان کے پاس ہر آدمی کو دینے کے لئے اتنے پیسے نہیں ہوتے۔ یہ صورتِ حال برطانیہ کی مساجد کی ہے جب وہاں کا یہ حال ہے تو اپنے ملک کی مساجد کا کیا حال ہوسکتا ہے؟ اور قیاس کرنے کی ضرورت کیا ہے، سارا منظر تو ہم رمضان المبارک میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

یہ بات نہیں کہ لوگ دینی مدارس سے تعاون نہیں کرتے، اس لئے مدارس کو مجبوراً ایسے طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کیونکہ بیسیوں ایسے اداروں کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں جن کا سالانہ بجٹ لاکھوں سے متجاوز ہے اور بعض کا کروڑوں میں قدم رکھ رہا ہے، وہ مدارس نہ سرکاری امداد لیتے ہیں اور نہ ہی ان کے سفیر اس طرح چندہ کے لئے گھومتے پھرتے ہیں، مگر ان کا بجٹ صاحبِ خیر مسلمانوں کے تعاون سے باوقار طریقے سے فراہم ہوجاتا ہے۔

یہ ہے دینی مدارس کا ماضی اور حال جسے اب پاکستان کی وزارتِ داخلہ اور اس سے بڑھ کر بین الاقوامی سطح پر ایمنسٹی انٹرنیشنل اپنی تحقیقات اور سروے کی بنیاد بنا کر دنیا کو ان کی منفی تصویر دکھانے کے درپے ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کا تو یہ نظریاتی محاذ ہے، وہ مغربی حکومتوں اور لابیوں کی نمائندہ ہے جن کا موقف یہ ہے کہ اسلام آج کے دور میں بطورِ 'نظامِ زندگی' قابل عمل نہیں ہے اور اسلامی احکام وقوانین انسانی حقوق کے منافی ہیں، اس لئے عالم اسلام میں دینی بیداری کی تحریکات کو ناکام بنانا ضروری ہے،

www.KitaboSunnat.com

ورنہ قرونِ وسطیٰ کا وحشیانہ دور پھر واپس آ سکتا ہے جس سے ویسٹرن سولائزیشن اور تہذیب و ترقی سب کچھ کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اس لئے مغربی حکومتیں اور ان کے مفاد میں کام کرنے والی لابیاں عالم اسلام میں دینی بیداری کے سرچشموں کو بند کرنا چاہتی ہیں۔

ان کی نظر میں پاکستان دنیا کا سب سے بڑا بنیاد پرست مسلمان ملک ہے اور پاکستان کی بنیاد پرستی کا سرچشمہ دینی مدارس ہیں، اس لئے دینی مدارس کو غیر مؤثر بنانا اور عوام کے ساتھ ان کے اعتماد کے رشتہ کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اسی بنیاد پر علماء کرام اور دینی مدارس کی کردار کشی اور انہیں منتشر رکھنے پر کروڑوں ڈالر خرچ کئے جارہے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اسی مہم کو لے کر آگے بڑھنا چاہتی ہے اور پاکستان کے غیر معیاری اور برائے نام دینی مدارس کو بنیاد بنا کر ایک رپورٹ دنیا کے سامنے لانے کی کوشش کررہی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ پاکستان کے دینی مدارس میں طلبہ کو آج کے تقاضوں سے بے خبر رکھا جاتا ہے، انہیں مارا جاتا ہے، زنجیروں سے باندھا جاتا ہے، ان سے جبری بیگار لی جاتی ہے، ان کی خوراک، رہائش اور صفائی کا معیار ناقص ہے، انہیں ان مدارس میں آزادئ رائے اور دیگر بنیادی حقوق حاصل نہیں ہیں، انہیں جان بوجھ کر ناقص رکھا جارہا ہے تاکہ وہ قومی زندگی کے شعبے میں کھپ نہ سکیں۔ ان کے نام پر چندہ جمع کرکے مدارس کے منتظمین کھا پی جاتے ہیں اور طلبہ کو انتہائی تنگی کی حالت میں رکھ کر خود عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان مدارس میں طلبہ کو اسلحہ کی ٹریننگ دے کر دہشت گرد بنایا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ کا حصہ ہوتا ہے جو ہر سال منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ اس کے لئے بطورِ خاص ایسے غیر معیاری مدارس کو سروے کی بنیاد بنایا جارہا ہے جہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے تاکہ رپورٹ پر 'غیر حقیقت پسندانہ' اور 'خلافِ واقعہ' ہونے کا الزام عائد نہ کیا جاسکے۔ اس سروے مہم میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی کوئی ٹیم معیاری دینی مدارس میں نہیں جائے گی اور نہ ہی رپورٹ میں ان کا تذکرہ ہوگا۔ پاکستان کی وزارتِ داخلہ اور دیگر محکمے اس مہم میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کے معاون ہیں اور دینی مدارس کے خلاف اس مہم میں ان کے مقاصد بھی اس سے مختلف نہیں ہیں۔

کسی بھی طبقہ کی کمزوریاں ہمیشہ اس کے خلاف دشمن کا ہتھیار بنتی ہیں اور دینی مدارس کے نظام سے نالاں قوتوں نے اس کے خلاف ان کمزوریوں کو ہتھیار بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس لئے دینی مدارس کو اور دینی مدارس کے وفاقوں کو خود احتسابی کا ایک مضبوط نظام قائم کرنا ہوگا اور اپنی کمزوریوں کو خود اپنے ہاتھوں دور کرنے کا اہتمام کرنا ہوگا، ورنہ یہ کمزوریاں ان کے خلاف صرف مغربی لابیوں کی پراپیگنڈہ مہم کا ہتھیار

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوں گی بلکہ ان مدارس پر ریاستی کنٹرول مہم میں بھی معاون ثابت ہوں گی۔ اس لئے ہم دینی مدارس کے اربابِ حل وعقد کی خدمت میں عرض کریں گے کہ

☆ تمام مکاتبِ فکر کے دینی مدارس کے الگ الگ وفاق اپنا وجود اور نظم قائم رکھتے ہوئے ایک مشترکہ بورڈ قائم کریں اور مشترکہ معاملات کو اس بورڈ کے ذریعہ کنٹرول کیا جائے۔

☆ درسِ نظامی کے موجودہ نصاب کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں انگریزی زبان اور عصری علوم کو بنیادی معلومات کی حد تک ضرور شامل کیا جائے۔

☆ گفتگو اور مباحثہ کے جدید اسلوب اور انگریزی/اردو میں صحافتی زبان سے طلبہ کو متعارف کرایا جائے

☆ اسلام کو بطورِ نظام حیات پڑھایا جائے اور دیگر نظام ہائے حیات کے ساتھ تقابلی مطالعہ کے ساتھ نظامِ شریعت کی اہمیت وضرورت کو ان کے ذہنوں میں اجاگر کیا جائے۔

☆ مدارس کی درجہ بندی کرکے ہر علاقہ میں وہاں کی ضروریات کے مطابق مدارس کے قیام کے لئے قومی سطح پر منصوبہ بندی کی جائے۔

☆ اباحتِ مطلقہ (فری سوسائٹی) کے مغربی تصور اور انسانی حقوق کے مغربی فلسفہ کے پس منظر اور نتائج سے طلبہ کو آگاہ کیا جائے۔

☆ دینی، اخلاقی اور روحانی تربیت کا بطورِ خاص اہتمام کیا جائے اور دینی مقاصد کے حصول کے لئے ان میں مشنری جذبہ اجاگر کیا جائے۔

☆ مالی امداد کے حصول کے لئے باوقار اور آبرومندانہ طریق کار کی پابندی اور غیر معیاری طریقوں کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اس سلسلہ میں وفاق کی سطح پر ضابطہ اخلاق طے کرکے مدارس سے اس کی پابندی کرائی جائے۔

☆ اساتذہ کے مشاہروں اور طلبہ کی رہائش، خوراک اور صفائی کے معیار کو بہتر بنایا جائے اور کام کو پھیلانے کی بجائے تھوڑے اور معیاری کام کو اُصول قرار دیا جائے۔

☆ مسلم معاشرہ میں دینی مدارس کی اہمیت، خدمات اور کردار کے حوالہ سے معیاری مضامین کی انگلش اور اُردو میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

ہمیں اُمید ہے کہ دینی مدارس کے اربابِ حل وعقد ان گزارشات پر ہمدردانہ غور فرما کر اصلاحِ احوال کی ضروری تدابیر اختیار کریں گے تاکہ دینی مدارس کا یہ نظام ماضی کی طرح مستقبل میں بھی اسلامی علوم کی حفاظت اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں مفید اور مؤثر کردار ادا کرسکے۔ ('الشریعۃ' جنوری ۱۹۹۵ء)

www.KitaboSunnat.com

ابلاغی حیوان، حیوانی ابلاغ اور طالبان

یونانی فلسفی ارسطو نے کہا تھا کہ انسان 'سماجی حیوان' ہے جو سماج کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا، اسے ہر صورت میں اپنے جیسے انسانوں سے ربط وتعلق استوار رکھنا پڑتا ہے۔ اہل مغرب کو ارسطو کا یہ حکیمانہ قول اس قدر پسند آیا ہے کہ انہوں نے اس کی بنیاد پر اپنا پورا فلسفہ حیات مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اسے ایک 'آفاقی حقیقت' کا درجہ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ذہین دماغوں نے ہمیشہ انسان کے اندر انسانیت تلاش کرنے کی بجائے اس کے اندر چھپی ہوئی حیوانیت کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک حیوانیت کے مقابلے میں 'انسانیت' ثانوی اہمیت کی حامل ہے۔ انسانیت کو وہ محض ایک لبادہ، تکلف اور تصنع ہی سمجھتے ہیں۔

مغرب میں صدیوں سے قائم انسان کے بارے میں اسی تصور کا نتیجہ ہی تھا کہ جب چارلس ڈارون نے اپنی شب و روز کی 'تحقیق' اور عرق ریزی کے بعد بندر کو انسان کا 'جدامجد' قرار دیا تو اہل مغرب نے انسانی ارتقا کے اس واہیات فلسفہ کو ردّ کرنے کی بجائے اسے خاصی پذیرائی بخشی۔ سگمنڈ فرائیڈ نے ۱۹۰۰ء میں اپنا معروف تحلیل نفسی کا نظریہ پیش کرکے انسان کے اندر جنس یا حیوانی جبلت کو انسان کا محوری ومرکزی جذبہ قرار دیا تو اہل مغرب نے بے حد ہیجان خیز اسلوب میں اس اچھوتے اکتشاف کو خوش آمدید کہا۔

جنسی جبلت کو تقدس عطا کرنے والا یہی فلسفہ ہی تو تھا جس نے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں یورپ وامریکہ میں جنسی انقلاب برپا کردیا۔ تب سے اہل مغرب صرف فکری اعتبار سے ہی نہیں، عملی اعتبار سے بھی ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کررہے ہیں کہ انسان بنیادی طور 'حیوان' ہی ہے۔ پاکستان میں اگر کسی کو اب تک اہل یورپ کی حیوانیت پسندی کے بارے میں کچھ شک تھا، تو افغانستان میں ان کی وحشت وبربریت کے ہولناک مظاہرے کے بعد یہ شک باقی نہیں رہنا چاہئے!!

مغرب کے سیاسی فلاسفروں نے ارسطو کے فلسفہ میں معمولی سا ردّوبدل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے انسان کے سیاسی اُمور سے غیر معمولی شغف اور سیاسی اداروں پر اس کی بے حد زیادہ انحصاریت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے 'سیاسی حیوان' قرار دیا۔ ۱۹۹۵ء میں امریکہ کے ایک پروفیسر کی کتاب نے فروخت کے نئے ریکارڈ قائم کئے۔ اس کا عنوان تھا "The Moral Animal" یعنی انہوں نے

www.KitaboSunnat.com

انسان کو 'اخلاقی حیوان' کے درجہ پر فائز کردیا۔ گویا یہ سابقے ہی بدلے گئے، 'حیوان' کا لفظ ابھی تک 'متفق علیہ' چلا آتا ہے۔

گذشتہ چالیس برسوں میں ذرائع ابلاغ نے مغربی معاشرت کو جس انداز میں متاثر کیا ہے، اس کی مثال ڈھونڈنا مشکل ہے۔ ایک یورپی اور امریکی شہری شاید سماج سے کٹ کر کچھ عرصہ گزارنے میں بہت دِقت محسوس نہ کرے، سیاسی اداروں سے بھی وہ کچھ دیر کے لئے انقطاعِ تعلق کرسکتا ہے بشرطیکہ ارتباطی (Interactive) ٹیکنالوجی سے اس کا تعلق ٹوٹنے نہ پائے۔ یورپ میں بہت سے ہپی افراد کو آپ جنگلوں میں پڑا ہوا پائیں گے، ان کے پاس بہت معمولی سا سامانِ زیست ہوتا ہے، مگر اس مختصر سے زادِ راہ میں ریڈیو یا موبائل فون ان کے پاس ضرور ہوگا۔ ایسے افراد کے لئے نہ تو سماج 'ناگزیر' ہے اور نہ ہی ریاستی ادارے ان کی مجبوری ہیں۔ مغربی سماج میں پرورده ایک شخص ممکن ہے غیر معمولی حالات میں کچھ دن بغیر خوراک کے بھی زندہ رہ لے، مگر ذرائع ابلاغ سے زیادہ دیر جدائی بہت کم لوگ برداشت کرپائیں گے۔

مغربی تہذیب و ثقافت کی صورت گری میں میڈیا نے اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ ان کے تہذیبی رویے، ان کا انفرادی و اجتماعی طرزِ عمل، سوچوں کے زاویے، ان کی بودوباش اور سماجی اقدار، ان کی معاشی فکر اور سیاسی حرکات، غرضیکہ ان کی حیاتِ قومی کا کوئی پہلو، کوئی گوشہ اور کوئی انداز ایسا نہیں ہے جسے ذرائع ابلاغ نے تشکیل (Shape) نہ دیا ہو۔ دورِ حاضر میں مغرب کا تہذیبی و تمدنی ارتقا درحقیقت وہاں کے ذرائع ابلاغ کے ارتقا سے براہِ راست وابستہ ہے۔ وہاں سائنسی و صنعتی ترقی ہوش رُبا رفتار سے آگے نہ بڑھ پاتی، اگر میڈیا کی طرف سے اس کو دھکا (Push) میسر نہ آتا۔ نت نئی ایجادات اگر سامنے آرہی ہیں اور معاشرتی زندگی کا حصہ بنتی جاتی ہیں، تو ان کی تیز رفتار معاشرتی مقبولیت بھی میڈیا کے ذریعے کی جانے والی مارکیٹنگ واشتہار بازی کی مرہونِ منت ہے۔ مغرب کی صنعتیں کبھی بھی وسیع پیمانے پر پیداوار نہ دے سکتیں، اگر ان کو جذب کرنے کے لئے صارفیت کا وسیع نیٹ ورک موجود نہ ہوتا اور پورے گلوب پر پھیلا ہوا صارفین کا نیٹ ورک میڈیا کے ذریعے مربوط و منضبط ہے۔ عالمی بستی کا موہوم یا حقیقی تصور بھی ذرائع ابلاغ کے بغیر ناقابل تصور ہے!!

مغربی سماج کا فرد عالم بیداری کا ایک ایک لمحہ میڈیا پر انحصاریت اور وابستگی کے عالم میں گزارتا ہے۔ صبح آنکھ کھلتے ہی پہلا کام ساتھ پڑے ہوئے ریموٹ کے ذریعے ٹیلی ویژن کا سوئچ آن کرنا ہوتا ہے۔ خوراکی ناشتہ سے پہلے ابلاغی ناشتہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ رات کو سونے سے پہلے جب تک نیند غالب نہیں آتی، انگلیاں ریموٹ کے بٹن کے آس پاس تو رہتی ہیں، اسے 'آف' نہیں کرپاتیں۔ گھر سے دفتر کا سفر ہو، یا دفتر سے مختلف مصروفیات اور فرائض منصبی کی انجام دہی کا معاملہ ہو، ریڈیو سیٹ، کمپیوٹر، ٹیلی

www.KitaboSunnat.com

فون، اخبارات، کتابیں، آلاتِ موسیقی، غرض درجنوں ذرائع ابلاغ صبح سے لے کر شام تک اس کی زندگی کے ایک لازمی جز کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ۲۴ گھنٹوں میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں نشریات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہو۔ اب تو ایک نہیں سینکڑوں ٹی وی نیٹ ورک صبح شام پروگرام پیش کرتے رہتے ہیں۔

جدید معاشرے میں سماجی رشتوں کی جگہ بھی بہت حد تک ذرائع ابلاغ نے لے لی ہے۔ خاندان کے مختلف افراد کی باہمی ملاقات میں بھی ٹیلی ویژن چلتا رہتا ہے۔ بچوں کے لئے ٹیلی ویژن نے والدین کے علاوہ ایک دلکش اور دلچسپ گائیڈ کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں بچے ماں باپ کی باتوں کو ٹی وی وغیرہ سے زیادہ وقت دیتے ہوں۔ دوست کا کردار تو بہرحال میڈیا ادا کرتا ہی ہے۔ میڈیا سے دوستی ایک خبط سے کم نہیں، اس کی موجودگی اچھے خاصے قریبی دوستوں کی یاد بھلا دیتی ہے۔ دوستوں سے دوستی نبھانے میں بھی میڈیا برابر کا شراکت دار ہوتا ہے۔ شاید ہی نوجوانوں کی کوئی دوستانہ مجلس ایسی ہو جس میں وقت گزاری کے لئے میڈیا کا استعمال نہ کیا جاتا ہو۔

اس طولانی تمہید کے بعد میرا خیال ہے کہ اب مجھے وہ بات کردینی چاہئے جو وجہ تحریر مضمون ہذا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج کا مغربی انسان 'ابلاغی حیوان' ہے۔ وہ انسان اور حیوان کے باہمی تعلق کو ڈارون اور فرائیڈ کی آنکھ سے دیکھنے کو تیار نہیں ہے۔ لیکن مجھے حسن ظن ہے کہ اہل مغرب اس ترکیب کو اپنے حق میں تعریف و توصیف پر ہی محمول کریں گے۔ وہ اپنی زندگی میں ذرائع ابلاغ کے تعلق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ 'سماجی حیوان' کے ساتھ ساتھ انہیں اگر 'ابلاغی حیوان' کے اعزاز سے بھی سرفراز کردیا جائے تو آخر انہیں پریشانی کیا ہوسکتی ہے؟ آپ امریکہ اور یورپ میں کسی بازار میں کھڑے ہوکر عام آدمی سے سوال کیجئے کہ آیا وہ ذرائع ابلاغ کے بغیر زندہ رہ سکے گا، تو گمانِ غالب ہی نہیں، راقم کو یقین کامل ہے کہ ۹۹.۹۹ فیصد افراد نہ صرف اس کا جواب 'نہیں' میں دیں گے بلکہ سوال پوچھنے والے کی ذہنی صحت کے متعلق اپنے خاص اسلوب میں تشویش کا اظہار بھی ضرور کریں گے۔ میرے بس میں ہوتا تو میں ۹۹.۹۹ فیصد کی بجائے ۱۰۰ فیصد ہی لکھ دیتا مگر جہاں انسان ہوں، وہاں کچھ نہ کچھ استثنائی صورتوں کی گنجائش بہرحال رکھنی پڑتی ہے۔

ابھی تک ہمارے استدلال کا دائرہ مغربی فرد کو ہی محیط رہا ہے۔ زیر بحث معاملے میں اہل مغرب کی تحدید و تخصیص ان کے خلاف کسی تعصب کی بنا پر نہیں ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ مشرق میں بھی اب اچھے خاصے 'ابلاغی حیوان' پیدا ہوگئے ہیں۔ لاہور جیسے شہر میں تو ایسے چند ایک نہیں، سینکڑوں گھرانے ضرور مل

www.KitaboSunnat.com

جائیں گے جن کا طرزِ معاشرت تہذیبِ مغرب کی مخلصانہ پیروی کا مکمل نمونہ نظر آئے گا۔لیکن جب مشرق ومغرب کی تہذیبوں کا وسیع تناظر میں موازنہ کیا جاتا ہے، تو پھر اس محدود اقلیت کو استثنائی درجہ میں ہی رکھا جاسکتا ہے۔ان کا طرزِ زندگی پورے معاشرے کی اجتماعی صورتحال کا آئینہ دار نہیں ہے۔البتہ مغرب کے ابلاغی حیوانوں اور ان بدیسی ابلاغی حیوانوں میں ایک واضح اور اُصولی فرق پایا جاتا ہے۔ جہاں مغرب کے ابلاغی حیوان اپنی ابلاغی ضروریات کے لئے خود کفیل ہیں، وہاں ہمارے مشرقی ابلاغی حیوان اپنے ابلاغی 'چارہ' کے لئے اہل مغرب پر بری طرح انحصار کرتے ہیں۔انہیں مشرقی ذرائع ابلاغ کی طرف سے پیش کردہ ابلاغی چارہ قطعاً پسند نہیں ہے، نہ ہی یہ اسے اپنی شناخت کا ذریعہ بنانا پسند کرتے ہیں۔ جوسکہ بند ابلاغی حیوان ہیں، آپ انہیں مشرقی ذرائع ابلاغ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے شاذ ہی دیکھیں گے۔ یہ واضح رہے کہ 'چارہ' کا لفظ 'حیوانیت' کی جانب ان کے میلانِ طبع کی بنا پر ایک تقابلی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، یہاں اس کے لغوی معانی مقصود نہیں ہیں۔

ہمارے ہاں ابلاغی حیوانوں کی اچھی خاصی تعداد کا تعلق طبقہ اشرافیہ سے ہے۔ان میں سے مختلف انواع واقسام کے ابلاغی حیوان آپ کو مل جائیں گے۔ زیادہ تر اپنے آپ کو لبرل، ترقی پسند اور ماڈرن کہلانا پسند کرتے ہیں، حقیقتِ حال چاہے اس کے برعکس کیوں نہ ہو۔ مقامی معاشرے کی جو قابل ذکر روایت یا سماجی قدر ہے، اس میں انہیں رجعت پسندی کی بو آتی ہے۔ وہ اپنی خوشی سے نہیں بلکہ بامر مجبوری اس بدقسمت زمین کو اپنے وجود کے زیر بار احساں رکھے ہوئے ہیں۔ جونہی وہ مجبوریوں کی قید سے آزاد ہوتے ہیں، یورپ یا امریکہ کی طرف عازمِ سفر ہوتے ہیں۔

مجھے بدیسی ابلاغی حیوانوں کے ایک مخصوص گروہ کا ذکر خاص طور پر کرنا ہے۔ یہ صحیح معنوں میں 'ابلاغی حیوان' کی تعریف پر پورا اترتے ہیں کیونکہ ذرائع ابلاغ سے ان کا اٹوٹ انگ رشتہ ہے بلکہ یہ ذرائع ابلاغ پر بہت حد تک چھائے ہوئے بھی ہیں۔ ٹیلی ویژن اور انگریزی اخبارات بالخصوص ان کی آماجگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ دانشور، سکالر، انٹیلکچول کہلوانے میں نہ صرف فخر محسوس کرتے ہیں، بلکہ بلاشرکت غیرے اس کے اصل مصداق ہونے پر اصرار بھی کرتے ہیں۔انہوں نے 'دانشوری' کو اس طرح قبضہ قدرت میں لے رکھا ہے جس طرح کسی کتاب کا مصنف 'جملہ حقوق محفوظ' لکھوا کر کتاب درازی (Pirating) کے ممکنہ خطرات سے کتاب کو اپنے تئیں تحفظ عطا کرتا ہے۔انٹرنیٹ، ای میل اور اس طرح کی دیگر سائنسی ایجادات نے ان ابلاغی حیوانوں کا کام بے حد آسان بنا دیا ہے۔اب وہ معمولی سی کاوش کے بعد امریکہ، برطانیہ یا یورپ کے کسی بھی اخبار سے کوئی مضمون، کالم، یا رپورٹ 'ڈاؤن لوڈ' کر لیتے ہیں

www.KitaboSunnat.com

اور حسبِ ضرورت اس میں معمولی ردّوبدل یا مکمل ہی اپنے نام پر شائع کر دیتے ہیں۔

یہ بات افراد کے ساتھ ساتھ ابلاغی اداروں پر بھی صادق آتی ہے۔ ہمارے انگریزی اخبارات میں شائع شدہ اکثر خبریں غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کی ارسال کردہ ہوتی ہیں۔ وہ ان کی صداقت میں ذرہ برابر شک نہیں کرتے، اس لئے بغیر کسی تحریف کے من وعن شائع کر دیتے ہیں۔ ہمارے ذرائع ابلاغ پر چھایا ہوا ابلاغی حیوانوں کا یہ طبقہ مغربی ذرائع ابلاغ کی طرف سے حاصل شدہ ابلاغی چارے کی ہو بہو نقالی اور جگالی کو ہی بلاغت وابلاغ کی معراج سمجھتا ہے!!

اس فکری غلامی کے باوجود اس طبقہ کو دعویٰ ہے کہ وہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں رواداری، روشن خیالی، ترقی پسندی اور جدیدیت کا علم بلند کئے ہوئے ہے۔ اپنے نقطہ نظر سے اختلاف کرنے والوں کو یہ رجعت پسند، دقیانوس، 'آؤٹ آف ڈیٹ'، عصر حاضر کے تقاضوں سے نابلد، جاہل، مولوی، ملا، ترقی مخالف اور علم دشمن جیسے القابات سے نہایت تواتر سے نوازتے رہتے ہیں۔

حیوانی ابلاغ

مغرب ومشرق میں پائے جانے والے ابلاغی حیوانوں کے اس اجمالی تذکرے کے بعد 'حیوانی ابلاغ' کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ مضمون ناقص و نامکمل رہے گا۔ 'حیوانی ابلاغ' سے مراد کوئی مخصوص طبقہ، کلاس یا گروہ نہیں ہے۔ یہ دراصل وہ حکمتِ عملی، طریقہ کار اور Approach ہے جس میں ذرائع ابلاغ پر قابض طبقہ اپنے مفادات کے تحفظ اور سوچ کے فروغ کے لئے میڈیا کو استعمال کرتے ہوئے ابلاغی حیوانوں کے فکر وعمل کو مطلوبہ ڈھانچے ومنصوبے کے تحت تشکیل دیتا ہے۔ حیوانی ابلاغ سے مراد ایسا مواد، انفارمیشن اور نظریات ہیں جن کے پھیلانے سے انسانی معاشرے میں تعمیری عمل کی بجائے تخریبی سوچ، منفی طرزِ عمل اور حیوانیت فروغ پاتی ہے۔ مغربی میڈیا بے حد جارحانہ طریقے سے 'حیوانی ابلاغ' کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ مغرب کی ایسی پالیسی کی وجہ سے ذرائع ابلاغ استعماری قوتوں کے ہاتھ میں بے حد مؤثر کارگر ہتھیار کا کام کر رہے ہیں۔ دیگر کئی شیطانی ہتھکنڈوں کی طرح 'حیوانی ابلاغ' کی ایجاد و اختراع کا سہرا بھی یہودیوں کے سر ہے۔ 'حیوانی ابلاغ' کی مختلف صورتیں قابل مشاہدہ ہیں۔ آج پوری دنیا میں جو Pornography (فحاشی) کا سیلاب آیا ہوا ہے، یہ 'حیوانی ابلاغ' کی ہی بدترین صورت ہے۔ جنسی خواہشات وحیوانیت کو بھڑکا کر پورے معاشرے کو اخلاقی زوال سے دوچار کرنا اس حیوانی ابلاغی مہم کا اصل مقصد ہے۔

اس حیوانی ابلاغ نے مغرب میں جنسی آوارگی کو 'تہذیب' کا نام دے کر وہاں کے خاندانی نظام کو

www.KitaboSunnat.com

تباہی کے کنارے پہنچا دیا ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ خطرناک حیوانی ابلاغ کی وہ صورت ہے جسے 'نفسیاتی سرد جنگ' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے پس پشت سیاسی مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔ غلط اور جارحانہ پراپیگنڈہ کے ذریعے مخالف قوموں کے مورال کو تباہ کیا جاتا ہے، ان کا امیج خراب کرکے انہیں قابل نفرت بنا دیا جاتا ہے، حقائق کو چھپا کر جھوٹ اور غلط بیانی کا طومار باندھا جاتا ہے۔ مگر یہ کام بڑی فریب کاری اور چالاکی سے کیا جاتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ جانبدارانہ ابلاغ کا تاثر قائم نہ ہو۔

آج امریکہ اور یورپی ممالک اپنے سیاسی اور استعماری مقاصد کی تکمیل کے لئے حیوانی ابلاغ کی اس حکمتِ عملی کو نہایت تواتر سے استعمال کررہے ہیں۔ مغربی تہذیب کو پوری دنیا پر غالب کرنے اور کمزور قوموں کے استحصال کے لئے اس طریقۂ کار کو بروئے کار لایا جارہا ہے۔ اس حیوانی ابلاغی مہم پر سینکڑوں ابلاغی نیٹ ورک کام کررہے ہیں، ہزاروں اخبارات، ریڈیو سٹیشن، ٹیلی ویژن اور رسائل اس مہم کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں پر سالانہ کئی ارب ڈالر خرچ کردیئے جاتے ہیں۔

مسلمان اس 'نفسیاتی سرد جنگ' کا طویل عرصہ سے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ اس کی ابتدا تو بہت پہلے ہی ہوگئی تھی، مگر اس کا پہلا اہم مظاہرہ جنگِ عظیم اوّل کے دوران ترکی کے خلاف مغربی ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈہ کی صورت میں سامنے آیا۔ ارضِ فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے لئے اسی حیوانی ابلاغ کی حکمتِ عملی اپنائی گئی۔ اسرائیل کے قیام کے بعد تو اس شیطانی مہم میں سال بہ سال شدت پیدا ہوتی گئی۔

اس ابلاغی خباثت کا تازہ ترین نشانہ 'طالبان' بنے ہیں۔ طالبان کی طرف سے نفاذِ شریعت کی جدوجہد اور اسلامی ریاست کا قیام مغربی تہذیب کے لئے خطرے کی گھنٹی قرار پایا، لہٰذا اسلامی ریاست کے نوزائیدہ درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔ عسکری مہم جوئی سے پہلے طالبان کے خلاف مسلسل پراپیگنڈہ مہم شروع کی گئی۔ مغرب کے تمام ذرائع ابلاغ نے اس حیوانی ابلاغ میں بھرپور حصہ لیا۔ انہیں بدنام کرنے کے لئے ذلیل اور پست ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ امن عامہ کے قیام، عدل وانصاف کی فراہمی، قانونی مساوات کے قیام، انتظامی سادگی اور نیکی کے فروغ، ڈرگ مافیا کی سرکوبی اور افغانستان کو اسلحہ سے پاک کردینے کے عظیم الشان کارناموں کو پس پشت ڈال کر طالبان کی طرف سے معمولی درجہ کی سخت گیری اور نفاذی حکمتِ عملی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا۔ ڈاڑھی اور برقعہ جو کہ صدیوں سے افغانیوں کی تہذیب کا جزولاینفک رہے ہیں، کو طالبان کے خلاف منفی پراپیگنڈہ کے لئے بھرپور استعمال کیا گیا۔ چند مٹھی بھر مغرب زدہ عورتوں کو شریعت کی حدود میں لانے کی کارروائی کو کروڑوں افغان عورتوں پر ظلم وستم قرار دے کر مغربی ذرائع ابلاغ نے شیطانی پراپیگنڈہ مہم جاری کی۔ کبھی موسیقی پر جزوی

www.KitaboSunnat.com

پابندی کو طالبان کی وحشیانہ پالیسی قرار دیا گیا تو کبھی طالبان کے جہادی کارناموں کو بنیاد پرستانہ قرار دے کر ان کا امیج خراب کیا گیا۔ ۱۱ر ستمبر کے واقعات کے بعد تو طالبان اور اسامہ بن لادن کے خلاف اس قدر شدید پراپیگنڈہ کیا گیا کہ یورپ وامریکہ میں طالبان اور اسامہ بن لادن کے خلاف نفرت کا لاوا اُبل پڑا۔ نتیجتاً وہاں کا عام آدمی طالبان کو آسیب اور عذاب سمجھنے لگا !!

پاکستان کے مغرب زدہ ابلاغی حیوان بھی اس شیطانی مہم میں کود پڑے۔ انہوں نے یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ یہ پراپیگنڈہ غلط بھی ہوسکتا ہے۔ آج ہمارے ہاں ایک مخصوص طبقہ میں طالبان کے خلاف جو نفرت اور ناپسندیدگی کے جذبات پائے جاتے ہیں، یہ ان کی آزادانہ سوچ کا نتیجہ نہیں ہیں۔ یہ مغرب کی طرف سے آنے والا ابلاغی چارہ ہی ہے جس کی یہ جگالی کررہے ہیں۔ ہمارے نام نہاد دانشور طالبان کو اگر 'ظالمان' کہہ رہے ہیں تو اس کی وجہ بھی ان کی وہی ابلاغی محکومی ہے۔ ان کی سوچیں مغرب کے حیوانی ابلاغ کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔

مسلمان ملکوں کے حکمران مغرب کی حیوانی ابلاغی مہم کے زیر اثر ہیں۔ ان میں سے سب امریکہ کی دھونس کا شکار نہیں ہیں، بہت سے ایسے بھی ہیں جو طالبان کے خلاف زہریلے پراپیگنڈہ کو درست سمجھتے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ اس افسوسناک صورتحال سے کبھی باہر نہیں نکلے گی جب تک کہ وہ اپنا جوابی ابلاغی نیٹ ورک قائم نہیں کرلیتی جس کے ذریعے مغربی ذرائع ابلاغ کے پراپیگنڈہ کا توڑ کیا جاسکے۔ الجزیرہ ٹیلی ویژن نے افغان جنگ میں طالبان اور اسامہ بن لادن کا موقف پیش کرکے مغربی ذرائع ابلاغ کو کافی پریشان کیا ہے۔ مگر یہ محض ایک 'ابلاغی جزیرہ' تھا جو مغربی ذرائع ابلاغ کے ابلاغی سمندر میں نبرد آزما ہونے کی پوزیشن میں نہیں۔

ماہنامہ محدث کی توسیع اشاعت مہم میں اپنا کردار ادا کیجئے ..... محدث کو اپنے تک محدود نہ رکھیں

بلکہ کم از کم ایک باذوق دوست کے سامنے اس کا تذکرہ کرکے آپ اس مشن میں ہمارے معاون بن سکتے ہیں

☆ محدث میں ہر ماہ مختلف دینی موضوعات پر ۵/اہم کتابچے آپ پڑھ سکتے ہیں۔
☆ ۵ خریدار بنانے پر چھٹا رسالہ آپ کو سال بھر کے لئے اعزازی جاری کیا جائے گا۔
☆ محدث کی ایجنسی لینے کی صورت میں ۳۳ فیصد کمیشن دی جائے گی۔
☆ محدث کی اہمیت وافادیت اس امر سے ظاہر ہے کہ محدث کے اکثر مضامین دیگر مجلّات میں دوبارہ شائع ہوتے ہیں۔
☆ مناسب نرخوں پر محدث میں اشتہارات دینے کا سلسلہ بھی شروع کیا جارہا ہے۔ دلچسپی رکھنے والے دفتر سے رابطہ کریں
☆ جن قارئین کے ذمہ محدث کا زرسالانہ واجب الادا ہو، ازراہ کرم پہلی فرصت میں اس کی ادائیگی فرمادیں۔ شکریہ

محدث ایک علمی تحریک ہے اور آپ اس کے دست وبازو ہیں

ہم آپ کو اپنا دستِ تعاون بڑھانے کی دعوت دیتے ہیں ..... علمی، ابلاغی، تحقیقی اور مالی ومعنوی

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تہذیب جدید کے فتنے
(قسط نمبر 2)

تحریر: شیخ علی طنطاوی، مصر
مترجم: عبدالمالک سلفی

ارحموا الشباب نئی نسل پر رحم کی فریاد!

اسلامی ممالک کی صورت حال عام طور پر یہ ہے کہ مغرب کی تقلید میں انہوں نے بھی تعلیم کے لیے مخلوط کالج اور یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے بنا لیے جن میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے پڑھتے اور رہتے سہتے ہیں- پارکوں میں وہ جس طرح ایک دوسرے کے ساتھ بیہودہ اور فحش حرکات کرتے ہیں، وہ یقیناً ایک مسلم معاشرے کے لیے باعث شرم اور نہایت قابل مذمت ہے- آپ دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات نوجوان لڑکیاں اتنا باریک لباس پہنچتی ہیں کہ ان کا سارا جسم اندر سے دکھائی دیتا ہے- پھر ہم کہتے ہیں کہ اس نے ابھی ریاضی کے مشکل ترین مسائل حل کرنے ہیں، کیمیا گری کے فنون سیکھنے اور کتابوں کی شروحات کا مطالعہ کرنا ہے- اے عقل کے اندھے اس بات کو اپنے ذہن میں سوچ کہ اس نوجوانی کی عمر میں تیری نوجوان بیٹی کیا چاہتی ہے- ہم نے اس اختلاط باہمی کو سفر و حضر، سکول و کالج، نہروں کے کناروں، پارکوں کے سبزہ زار اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچا دیا اور ہم نے اس چیز کو تہذیب و تمدن، ثقافت اور کلچر کا خوشنما نام دے دیا- چنانچہ اس طرح دوسری رکاوٹ بھی ختم ہو گئی-

تیسرے رکاوٹ بدنامی اور رسوائی کا ڈر تھا: لیکن ہماری حالت رفتہ رفتہ تبدیل ہوتی گئی- بالآخر نوجوان طبقہ اس حد تک پہنچ گیا کہ انوہں نے گناہوں پر شرمسار ہونے کی بجائے ایسی عادتوں پر فخر و غرور کرنا شروع کر دیا اور نیک باز لڑکے لڑکیاں ان میں نکو بن گئے- حالانکہ ایک وہ وقت تھا کہ لوگ گناہ کر کے شرمسار ہوتے اور لوگوں سے اپنے گناہ کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اگر ان سے اس بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ انکار کر دیتے جبکہ آج صورت حال یہ ہے کہ ایسے فحش واقعات کو اخبارات، ڈائجسٹ اور ناولوں کی زینت بنایا جاتا ہے اور عام طور پر ایسے لچر اور بیہودہ لٹریچر کو لوگ بڑے شوق سے خریدتے اور پڑھتے ہیں کیونکہ اس میں جنسی جذبات کو بھڑکانے والا مواد ہوتا ہے-

ایسا فحش لٹریچر جس قدر آج مارکیٹ میں دستیاب ہے، اتنا پہلے کبھی نہیں تھا- رہی سہی کسر ہمارے معاشرے کے رائٹروں، صحافیوں اور کالم نگاروں نے نکال دی- وہ اداکاروں اور اداکاراؤں کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں اور انہیں قومی ہیرو قرار دینے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں ہونے دیتے ہیں- میں نے کچھ عرصہ قبل ایک ایسے ادیب کے ایک کالم کا مطالعہ کیا، جو مجھ سے علم و فضل سے بہت آگے ہے- انہوں نے اپنے کالم میں ایک بدکار اداکار جو کہ مر چکا ہے، کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے- ایک دوسرے ادیب نے ایک اور اداکار (آسکر ولڈ) کی بڑی لمبی چوڑی تعریف کی ہے- اب ظاہر بات ہے کہ جو

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی ایسے فلمی اداکاروں کے اخلاق و کردار کا مطالعہ کرے گا، تو اس کے ذہن پر بھی ویسے ہی بُرے اثرات مرتب ہوں گے- آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ فلمیں دیکھنے کی وجہ سے چھوٹے بچوں میں بھی وہی حرکتیں آگئی ہیں، جو وہ فلموں میں نظارہ کرتے ہیں اور ہم نے اس بات کو بالکل فراموش کر دیا ہے کہ گناہ کی تشہیر کرنا اسلام کی نظر میں دوسرا بڑا جرم ہے، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گناہ کے مرتکب ہونے والے کو اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے اور اللہ سے توبہ واستغفار کا حکم دیا ہے- لیکن دیکھئے، آج فلموں میں بے حیائی اور فحاشی کا کردار ادا کرنے والے کس قدر ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اپنے گناہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر باعث شرم بات یہ ہے کہ فلموں میں کام کرنے والی عورتیں اپنی بدکاری اور زناکاری کو اپنے باعث فخر سمجھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم نے بڑی عزت حاصل کی ہے- گویا وہ بے غیرتی کو اپنے لیے عزت قرار دیتی ہیں- میں نے شام کی دو ادیب لڑکیوں کا قصہ پڑھا، ان میں سے ایک نے اپنے کالم میں اپنے عاشق کا تذکرہ کیا ہے، جس کے ساتھ اس نے عقد شرعی کے بغیر خفیہ تعلقات قائم کر رکھے تھے، ان کا نام 'جارج' اور اس کی معشوقہ جو اس سے بھی بے شرم اور بے حیا تھی، اس کا نام 'فردوموسہ' تھا- بہر حال ہمارے اس طرز عمل سے تیسری رکاوٹ بھی ختم ہو گئی-

چوتھی رکاوٹ بیماری کا ڈر اور خوف تھا: ڈاکٹر حضرات آئے اور انہوں نے برملا کہا کہ زنا کاری و بدکاری کی وجہ سے بیمار ہونے والو! ہمارے پاس آؤ، ہم تمہارا علاج کریں گے، ان بیماریوں سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں- ہمارے پاس پنسلین، ٹیرامائسین اور ایلی سین جیسے ٹیکے موجود ہیں، جنہیں لگاتے ہی مریض ٹھیک ہو جاتا ہے- ان کے علاوہ اور بھی ایسی ادویات ہمارے پاس موجود ہیں جو ان امراض کے لیے نہایت ہی مفید ہیں- جب بھی تمہیں زناکاری اور بدکاری کی وجہ سے کوئی بیماری لگے تو تم ہماری خدمات حاصل کریو، ہم تمہارا علاج کر کے تمہیں ٹھیک کر دیں گے اور اگر کوئی عورت زنا کی وجہ سے حاملہ بھی ہو گئی ہو تو کوئی بات نہیں، ہم بغیر تکلیف کے اس کا حمل ضائع کر دیں گے اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہو گی- چنانچہ میڈیکل کی اس ترقی سے بیماری کا ڈر اور رسوائی کا خوف بھی دور ہو گیا-

پانچویں رکاوٹ تھا حکومت کا ڈر اور تعزیرات کا خوف: واقعہ یہ ہے کہ جب حکومت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا شرعی فریضہ ادا کرے اور شریعت محمدی کے مطابق فیصلے کرے اور شرعی تعزیرات و حدود کو نافذ کرے تو یقیناً جرائم نہ ہونے کے برابر ہوں گے، لیکن اگر اسلامی قانون اور شرعی تعزیرات کو چھوڑ کر مغربی قوانین کا سہارا لیا جائے جیسا کہ آج کل اکثر اسلامی ممالک میں ہو رہا ہے تو جرائم پر قابو پانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے- کیونکہ مغربی قوانین کی حالت یہ ہے کہ اگر ایک سطر کا قانون ہے تو بعد میں اس میں دو صفحے کی ترمیم ہو گی- مغربی قانون میں اگر زنا عورت کی رضامندی سے کیا جائے تو نہ کوئی مقدمہ ہو گا اور نہ کوئی سزا ہو گی اور یہ مغربی قانون کی نحوست ہے کہ مغرب میں بیٹا، ماں سے اور باپ بیٹی

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے زنا کر رہا ہے جو اتنا گھناؤنا جرم ہے کہ کوئی دین دار اور بااخلاق آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ حیران ہوں گے کہ مغرب میں زناکاری اور بدکاری کی سزا ایک ہزار روپیہ چوری کرنے سے بھی کم ہے۔ ہم خاموش تماشائی بنے یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور ہمارے علماء، مفتی اور حکمرانوں نے حالات سے صلح کر کے اس ساری صورت حال کو قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ پانچویں رکاوٹ بھی ختم ہو گئی۔

چھٹی رکاوٹ تھی، اللہ کا ڈر اور جہنم کا خوف: ہم نے اپنے اولاد کو شروع سے ہی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت سے دور رکھا اور اس کے دل سے خوف خدا اور جہنم کا ڈر فراموش کر دیا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ نئی نسل کے نوجوان بیٹے کو مسجد کے رستے کا ہی پتہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کبھی کبھار اس کا باپ اسے ڈانٹ ڈپٹ کر اپنے ساتھ مسجد میں لے جائے تو ممکن ہے وہ نماز پڑھ لے، ورنہ اسے نہ مسجد کا پتہ ہے اور نہ وہ نماز کو جانتا ہے۔ اس طرح یہ مضبوط ترین رکاوٹ بھی پاش پاش ہو گئی۔ پھر ہم نے انہیں یہ درس دیا کہ تم مادر پدر آزاد ہو۔ جہاں چاہو گھومو، پھرو اور انہوں نے یہی کیا۔

آج دیکھئے کہ جو عورت 06 یا 07 سال اپنے بھائی، باپ اور چچا کے ساتھ پردے کی حالت میں بھی باہر نکلنے سے حیا محسوس کرتی تھی، آج وہ باریک کپڑے زیب تن کر کے اور میک اپ کر کے بڑے فخر کے ساتھ سر عام بازاروں اور پارکوں میں تمام لوگوں کو دعوت گناہ دیتی پھرتی ہے۔ میں وہی کچھ لکھ رہا ہوں جو اپنے معاشرے میں دیکھتا ہوں۔ دنیا میں جتنے بھی ادیان ہیں، قطع نظر اس کے کہ وہ صحیح ہوں یا باطل ہوں، ان تمام ادیان میں ایک بات مشترک پائی جاتی ہے وہ یہ کہ کوئی عورت بن سنور کر اپنا حسن و جمال اور جوانی کا جادو لوگوں پر نہ چلائے۔ ایک دفعہ بیت المقدس کے دروازے پر یہ اعلان لکھا ہوا پایا گیا کہ کوئی عورت زیب و زینت اختیار کر کے ننگے منہ اور باریک کپڑے پہن کر گرجا میں نہ آئے بلکہ عورتیں لمبے اور موٹے کپڑے پہن کر سادگی کی حالت میں گرجا میں آیا کریں۔ جب عورت نے اوپر اور نیچے سے کپڑا چھوٹا کرنا شروع کر دیا یعنی آدھے بازوؤں والی قمیص پہننے لگی اور پنڈلیوں سے اوپر تک شلوار پہننے لگی تو آہستہ آہستہ اس نے اپنے سارے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے حتی کہ سمندر کے کنارے پر پہنچ کر اس نے اپنے سارے کپڑے اتار پھینکے اور شرم و حیا کو خیر باد کہہ دیا۔

کیا یہ اس اکیلی نوجوان لڑکی کا قصور ہے اور کیا یہ صرف نوجوان لڑکے کا ہی گناہ ہے۔ ایک طرف اس کے اندر طبع شہوت کا طوفان، پھر شادی پر قدغنیں اور دوسری طرف بُرائی کی فطری کشش، پھر برہنہ لڑکیوں کے غول کے غول جو سر بازار دعوت گناہ دے رہی ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے آخر کب تک وہ اپنے آپ کو ایسے ماحول میں بچا کر صبر سے کام لیتا رہے گا؟ ایسے ماحول میں وہ نوجوان اپنے سبق اور کتاب پر کیسے توجہ دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑا مشکل اور کٹھن مرحلہ ہے اس کی اصلاح اور علاج کے لئے تو سارے معاشرے، حکومت، تمام قوموں، اہل علم، اصحاب قلم اور خواتین کے حقوق کی عالمی تنظیمیوں کو مل جل کر کام کرنا چاہئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عالمی این جی اوز فضول بکواسات اور بیہودہ لغویات میں مصروف ہیں اور فحاشی و بے حیائی کو فروغ دینے میں پیش پیش ہیں- وہ یہ نہیں سوچتیں کہ خطرہ حوا کی بیٹی کے لیے ہے او رقربانی کا بکرا بھی حوا کی بیٹی کو ہی بننا ہے، حالانکہ عالمی این جی اوز کی اصل ذمہ داری یہ تھی کہ وہ مظلوم عورتوں کے حق میں آواز اٹھاتیں لیکن کیا آج تک انہوں نے عورت کی عزت کی حفاظت کے لئے کوئی مہم جوئی کی ہے- حوا کی بیٹی بلکہ انسانیت کی سب سے بڑی تذلیل یہ ہے کہ جب کوئی عورت چند ٹکوں کے لئے اپنے جسم غیر مرد کے حوالے کر دیتی ہے- نسوانی حقوق کی یہ نام نہاد تنظیمیں عورت کی اس تذلیل کے خلاف میدان عمل میں کیوں نہیں آتیں- اس لئے کہ اس بے حیائی اور بے غیرتی کو مغرب نے یہ کہہ کر سند جواز عطا کر دی ہے کہ یہ عورت کا حق ہے کہ اپنے جسم کو جیسے چاہے استعمال کرے- اہل مغرب نے بھی یہ جواز اس لئے تراشا ہے کہ اسی طرح ہوس پرست مردوں کی تسکین کو قانونی تحفظ مل سکتا ہے اور مرد کے لیے عیاشی کرنے کی راہ کشادہ ہو سکتی ہے- مجھے حیرانگی ہوتی ہے جب عورتیں اپنے اس استحصال کے خلاف یک آواز نہیں ہوتیں!!

خط لکھنے والے کی بیٹی تو خاندان کی عزت کو پامال کر گئی لیکن میں اپنی بات کو آپ کے سامنے اس لیے پیش کر رہا ہوں کیونکہ بے حیائی کا یہ سیلاب میرے اور آپ کے گھر کی طرف بھی بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے اور یہ خطرہ ہے کہ وہ میری اور آپ کی بیٹی کو اپنی لپیٹ میں لے کر غرق کر دے گا-

یہ ایسی آگ ہے جو ہر گھر میں جل رہی ہے یا جلنے والی ہے اور ایسا سیلاب ہے جو ہر شے کو غرق آب کر رہا ہے- یہ ایسا طاعون ہے جو ہر طرف پھیل رہا ہے اور ہم اس کی پرواہ کئے بغیر بڑے آرام و سکون سے بیٹھے اپنے بے بسی کا تماشا دیکھ رہے ہیں- ہم اس آگ کو بجھانے میں اپنا کردار کیوں ادا نہیں کرتے؟ بلکہ ہم جلتی آگ پر مزید تیل ڈال رہے ہیں اور یہ بھول گئے ہیں کہ یقیناً اس آگ کی تپش اور حرارت ہمارے گھروں کو بھی جلا کر راکھ کر دے گی- جب ہم خود جلتی آگ پر تیل ڈال رہے ہیں تو پھر اس کی تباہی سے بچنے کی اُمید کرنا کارِ عبث ہے-

یہ کیسے ہو سکتا ہے اے دانش مندو! مجھے بتاؤ، تم کس طرح اس آگ سے محفوظ رہو گے؟؟؟

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پروفیسر مزمل احسن شیخ

عازمین حج کے لئے چند ضروری ہدایات

حج اسلام کا ایک اہم فریضہ اور ایسی عبادت ہے جس میں بے شمار حکمتوں اور فوائد کے خزانے بھرے پڑے ہیں ،جنہیں سمیٹ کر انسان دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کا اظہار یوں فرماتے ہیں: ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ (الحج:۲۸)

''لوگوں کو چاہئے کہ یہاں آ کر دیکھیں کہ حج میں ان کیلئے کیسے کیسے دینی اور دنیاوی فوائد ہیں۔''

حج بلا شبہ ایک بابرکت اور باعثِ اجر وثواب سفر ہے، لیکن اس صورت میں جب ان تعلیمات کو پیش نگاہ رکھا جائے جو رسول اللہ ﷺ نے اُمت کے لئے بیان فرمائی ہیں۔ یہ صورت حال انتہائی افسوسناک ہے کہ لوگوں کو اپنی غلطیوں کی وجہ سے اور بعض اوقات دوسروں کی غلطیوں کی وجہ سے بہت سی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ تو جزع فزع کرکے اپنا اجر وثواب ضائع کر بیٹھتے ہیں تو دوسری طرف حج کے مطلوب مقاصد، تزکیۂ نفس، حصولِ تقویٰ، روحانی سکون سے بھی محروم رہتے ہیں اور انہیں سوائے سفر کی صعوبتوں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس افسوسناک صورت حال سے بچنے کے لئے ہم بعض ایسی ہدایات نقل کررہے ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر حجاج کرام جہاں حج کے بے پناہ فوائد کو سمیٹ سکتے ہیں، وہاں وہ بہت سی پریشانیوں سے بھی بچ سکتے ہیں۔

(۱) ہر عازمِ حج کو چاہئے کہ اللہ کے گھر کی طرف روانگی سے قبل لوگوں کے حقوق اور امانتیں ادا کردے۔ کسی پر ظلم یا زیادتی کی ہے تو اس سے معاف کروالے۔ قرض ادا کردے اور جن سے لاتعلقی اختیار کررکھی ہے، صلہ رحمی کا ثبوت دیتے ہوئے ان سے صلح کرلے۔ نا معلوم کہ واپس آنا نصیب ہو کہ نہ ہو۔

(۲) سفر حج پر روانگی سے قبل خلوصِ نیت کے ساتھ سابقہ گناہوں سے توبہ کرلے۔ یعنی اب کسی بھی گناہ سے اپنے دامن کو آلودہ نہ کرے، مصمم ارادہ کرے کہ آئندہ اپنے دامن پر گناہوں کی غلاظت کا چھینٹا تک نہ پڑنے دے گا اور سابقہ گناہوں پر ندامت وشرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

''اے ایمان والو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ تائب ہوجاؤ، تاکہ تم فلاح پاسکو'' (النور:۳۱)

(۳) ہر عازمِ حج کو چاہئے کہ اللہ کا تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرے اور حتیٰ الامکان کوشش کرے کہ سفر حج اور ادائے مناسکِ حج کے دوران اپنے دامن کو کسی ایسے گناہ سے داغدار نہ ہونے دے، جسے اللہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے سول ﷺ نے بحالتِ احرام حرام ٹھہرایا ہے۔ بیہودہ گوئی، شہوانیت پرستانہ افعال، لڑائی جھگڑا، سگریٹ نوشی، دیگر فسق و فجور کے کام، خصوصاً جھوٹ اور غیبت سے بچے۔ اللہ کے دربار میں حاضر ہونے والے کو یہ کام زیب نہیں دیتے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ﴾ (البقرۃ:۱۹۷) ''جو شخص حج کا احرام باندھے تو پھر شہوت کی باتیں کرنا، گناہ اور لڑائی جھگڑا کرنا اسے زیب نہیں دیتا اور جو نیکی کے کام تم کرو گے اللہ کو معلوم ہو جائے گا۔''

(۴) نیز ہر عازمِ حج کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ داڑھی منڈانا فسق اور گناہِ کبیرہ ہے لہٰذا بیت اللہ اور روضۂ رسول ﷺ پر حاضری سے قبل اپنے چہرے کو پیغمبر کی سنت سے سجالے اور پختہ عہد کرے کہ آئندہ پیغمبرؐ کی سنتِ مطہرہ کو کاٹ کاٹ کر گندی نالیوں میں نہیں پھینکے گا۔

(۵) پھر حج وعمرہ جیسے جلیل القدر عمل کو ریا کاری، شہرت کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا جائے، بلکہ حاجی کو چاہئے کہ روانگی کے وقت اپنے دل کو خلوص اور للّٰہیت کے زیور سے آراستہ کرلے، کیونکہ 'خلوص' عمل کی قبولیت کے لئے بنیادی شرط ہے۔

(۶) ہر وہ شخص جو حج کا ارادہ رکھتا ہے، اسے اپنے ذریعہ معاش کو بغور دیکھ لینا چاہئے۔ حرام کمائی سے کیا ہوا حج یقیناً اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔ پیغمبرؐ نے ایک ایک شخص کا ذکر فرمایا:

يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب ، يا رب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه وغذى بالحرام فأنىّ يستجاب لذلك (مسلم: حدیث ۲۳۴۳)

''جو طولِ طویل سفر کرکے آتا ہے، اس کے بال پراگندہ ہیں، اس کا جسم گرد وغبار سے اَٹا ہوا ہے۔ وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا کر یارب یارب کی صدا لگاتا ہے۔ ربّ سے دعائیں مانگتا ہے۔ لیکن اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، اس کا پہننا حرام، اس کی ساری غذا حرام سے، بھلا ایسے شخص کی دعائیں کہاں سنی جائیں گی۔''

اور یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ وہ مال کبھی پاکیزہ نہیں ہوسکتا جس سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، لہٰذا ایسے مال سے کیا ہوئی حج بھی اللہ کے ہاں قابل قبول نہ ہوگی۔

(۷) یہ بات کس قدر اندوہناک ہے کہ بعض لوگ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران اپنی بیشتر قیمتی وقت خریداری اور ہوٹلوں میں سگریٹ نوشی کرنے میں ضائع کردیتے ہیں۔ اس سے تلاوتِ قرآن، ادعیہ واذکار، توبہ واستغفار اور اللہ کو راضی کرنے کے بہت سے قیمتی لمحات تو ضائع ہوتے ہی ہیں اس کے ساتھ حرم شریف کی لاکھ درجہ فضیلت رکھنے والی نمازِ باجماعت سے بھی اپنے آپ کو محروم کرکے وہ اپنے لئے بدبختی کا سامان کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن بے چاروں کو نماز آتی ہی نہیں۔ انہیں سفرِ حج کے روانہ ہونے سے پہلے نماز سکھانا بھی ہمارا دینی فریضہ ہے۔

www.KitaboSunnat.com

(۸) اَن پڑھ حضرات کو چاہئے کہ وہ سفر حج پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے کسی پڑھے لکھے عزیز کے ذریعے کاغذات کی فائل بنوالیں تاکہ بعد میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس غرض کے لئے ماسٹر ٹریز کو کاغذات مرتب کرنے کا طریقہ تحریراً دے دیا جائے۔

(۹) عازمین حج کو چاہئے کہ حجاج کیمپ، حج ٹرمینل، طیارے پر چڑھتے اُترتے، غرض ہر مقام پر نظم ونسق اور ڈسپلن کا مظاہرہ کریں اور جدہ ایئرپورٹ پر جہاں بٹھایا جائے وہاں سے اِدھر اُدھر نہ ہوں۔

(۱۰) ایسے بھی ہوتا ہے کہ بعض خواتین غیر محرم مردوں کو عارضی طور پر اپنا محرم بنا کر حج پر روانہ ہوجاتی ہیں۔ ایسا کرنے سے خواتین کو کس قدر تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اگر اس کا اندازہ انہیں آغازِ سفر سے پہلے ہوجائے تو وہ کبھی ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔

(۱۱) دورانِ سفر اپنے سارے کام خود انجام دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ دوسروں پر بوجھ سے حتیٰ الوسع گریز کیا جائے۔ بوڑھوں، عورتوں اور بیماروں کو ہر وقت اپنے دستِ تعاون کا مستحق سمجھئے۔ رفقاءِ سفر سے گلے شکوے اور ان کی غیبت سے ہر ممکن گریز کیجئے۔ جو شخص کسی کی مصیبت کو دور کرتا ہے، اللہ روز قیامت اس کی مصیبتوں کو دور فرمائے گا۔ لہٰذا حجاج کی خدمت کو اپنا فرض سمجھئے، بیماروں کی عیادت کیجئے۔ ان کا علاج کروایئے۔ جو کمزور ہیں، طواف کروانے اور دیگر اُمورِ حج میں ہر ممکن ان کا تعاون کیجئے۔

طواف کے دوران ان بوڑھوں اور عورتوں کے لئے راستہ چھوڑ دیجئے۔ ان باتوں پر عمل کرنے سے ہی انسان اس حدیث کا صحیح مصداق بن سکتا ہے جس میں آتا ہے کہ ''حج سے واپسی کے بعد انسان گناہ کی غلاظتوں سے اس طرح پاک صاف ہوجاتا ہے جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔''

(۱۲) یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہئے کہ حج کا سفر سیر وسیاحت یا تجارت کا سفر نہیں بلکہ اللہ سے دعائیں مانگنے، گناہوں سے توبہ کرنے، ندامت کے آنسو بہانے، بارہا اللہ سے استغفار کرنے اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرنے کا سفر ہے۔ لہٰذا رو رو کر کثرت سے یہ دعا کیجئے

استغفر الله الذي لا إله إلا هوالحي القيوم وأتوب إليه

''میں اس اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

اللهم إنك عفو تحبّ العفو فاعف عنى

''اے اللہ بے شک تو بخشنہار ہے، تو معافی کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف فرمادے''

اسکے علاوہ جو بھی ادعیہ ماثورہ یاد ہوں، اُٹھتے بیٹھتے ان کا، خصوصاً درود شریف کا التزام کرنا چاہیے۔

(۱۳) حجاج کرام کو رفقاءِ سفر کی تکلیف کا خاص طور پر احساس کرنا چاہئے۔ ہر اس کام سے احتراز کریں جس سے دوسرے ساتھی کو تکلیف پہنچ سکتی ہو المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔

www.KitaboSunnat.com

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی دوسرے مسلمان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔" لہٰذا کچھ چیزوں کا خصوصی خیال رکھیے مثلاً رفع حاجت کے بعد فلش چلا دیجئے تاکہ بعد میں آنے والوں کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ایسے موقع پر ایثار سے کام لیتے ہوئے بوڑھوں اور کمزوروں کو پہلے موقع دیں اور لیٹرین، غسل خانہ کو جلد از جلد فارغ کرنے کی کوشش کریں۔ عام استعمال کی چیزوں میں بخل سے کام نہ لیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ نے ہلاکت کی وعید سنائی ہے۔ وہاں اگر کہیں کھانا وغیرہ تقسیم ہو تو بعض لوگ بھوکوں کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں اور پھر ذخیرہ اندوزی کیلئے زیادہ سے زیادہ لینے کی کوشش کرتے ہیں یہ چیز اسلامی آداب کے منافی اور وقار اور شائستگی کے خلاف ہے جو کم از کم ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتی۔

(۱۴) سفر حج کے دوران آب و ہوا اور موسم کی تبدیلی کی وجہ سے حجاج کو کم از کم ایک دفعہ ضرور بیماری کے تجربہ سے گزرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا حسبِ ضرورت ادویات گھر سے لے کر نکلئے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ قیام کے دوران پاکستان ہاؤس میں پاکستانی سفارتخانہ کے زیرنگرانی عملہ چوبیس گھنٹے کام کرتا ہے، ضرورت پڑنے پر وہاں بھی رجوع کیا جاسکتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں مسجدِ حرام کے بالکل نزدیک اجیاد ہسپتال بھی موجود ہے جہاں حکومتِ سعودی عرب کی طرف سے حجاج کرام کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔

(۱۵) سعی اور طواف کے دوران ہجوم کی وجہ سے اکثر حاجی اپنے گروپ سے بچھڑ جاتے ہیں۔ یہ لمحہ کافی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ حرم شریف کے اندر ہی کوئی ایسی خاص جگہ متعین کرلی جائے تاکہ سعی اور طواف سے فارغ ہونے کے بعد تمام اَفراد وہاں جمع ہوسکیں۔ علاوہ ازیں سعی اور طواف کے لئے اگر بڑے گروپ کی بجائے دو تین افراد کا گروپ بنایا جائے تو پھر بچھڑنے کا خطرہ کافی کم ہوجاتا ہے۔

(۱۶) رمی جمار ایک خاصا مشکل مرحلہ ہوتا ہے جہاں بعض افراد بداحتیاطی کی وجہ سے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ذاتی تحفظ اور سلامتی کے لئے درج ذیل چند ہدایات کو پیش نظر رکھنا کافی مفید ہوگا:

(أ) اضافی اشیا مثلاً چھتری، گھڑی، عینک وغیرہ ساتھ لے کر نہ جائیں اور بہتر ہے کہ جوتے بھی اتار لئے جائیں

(ب) رمی کرنے کے لئے منیٰ سے مکہ کی سمت کا راستہ اختیار کریں اور واپسی پر کوئی متبادل راستہ اختیار کریں۔

(ج) رمی جمار کے لئے پل کے اوپر اور نیچے دو راستے ہیں، پل کے اوپر سے رمی کرنا آسان اور زیادہ محفوظ ہے۔

(د) اگر ہجوم او ربدنظمی کی وجہ سے نازک صورتحال پیش آنے کا خدشہ ہو تو خواتین کو چاہئے کہ وہ خود رمی جمار کرنے کی بجائے یہ کام اپنے محرموں کے سپرد کردیں۔

(۱۷) عازمین حج کو چاہئے کہ وہ سفر پر روانگی سے قبل حج کے ضروری مسائل واحکام ضرور سیکھ لیں۔ خصوصاً قرآنی ونبویؐ دعائیں ضرور یاد کرنی چاہئے اور ہوسکے تو ان دعاؤں کا ترجمہ بھی یاد کرلینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے فریضہ حج کو قبول فرمائے اور اسے اُمتِ مسلمہ پر اپنی رحمتوں کے نزول کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

ماہنامہ محدث لاہور

مجلس التحقیق الاسلامی کی مقبول علمی وتحقیقی کاوش
ماہ بہ ماہ آپ کے مطالعہ میں آتی ہے
جس کے معیار کا اندازہ آپ سے بہتر کون جانتا ہے
تبھی تو محدث آپ کی اولین پسند ہے!!

محدث تعاون چاہتا ہے، وسعت مانگتا ہے اور آپ سے زیادہ بہتر انداز میں یہ کام کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

توسیع اشاعت مہم میں اپنا حصہ ڈالیے

صرف ۲۰۰ روپے میں ۱۲ ماہ تک ۸۰ صفحات پر مشتمل معیاری نگارشات کا مجموعہ
یقیناً گھاٹے کا سودا نہیں !!

محدث قریبی دوست کو ہدیہ کریں، محبت بڑھے گی، ۱۲ ماہ تک اچھی یاد دلاتا رہے گا۔

محدث متعارف کروایئے، مطالعہ سے کسی کی زندگی بدلے، نیکی کرے، اجر میں آپ بھی برابر شریک ہوں گے۔

محدث اپنے حلقہ احباب میں ذوقِ مطالعہ رکھنے والوں کو آپ جانتے ہیں..... ان سے رابطہ کریں۔ محدث کا تذکرہ کیجئے اور نمونہ کی کاپی ہم سے منگوائیں۔ فوراً محدث مطلوبہ پتہ پر پہنچ جائے گا۔

محدث کے لیے کسی مکتبہ، مسجد، لائبریری، ادارہ، فیکٹری کا پتہ مع کوائف وسربراہ کا نام ہمیں بھجوائیں۔ تذکرہ آپ کریں، رابطہ ہم کریں گے۔ محدث نمونہ کے طور پر پہنچے گا، ضرور جگہ پائے گا!!

محدث صدقہ جاریہ ہے، پاکیزہ لٹریچر پھیلایئے .....۲، ۴، ۶ کا ہدف طے کریں، سب ممکن ہے۔ صرف ارادہ اور کوشش شرط ہے..... کامیابی آپ کی۔ إن شاء الله

خریدار بنایئے..... متعارف کروایئے..... اصلاحی آواز پھیلایئے ..... بے پناہ اجر محفوظ پایئے!

قدم اٹھایئے..... ابھی لکھئے..... ہم منتظر ہیں

مینیجر: ماہنامہ محدث: ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور، فون: 5866476, 5866396

اگر آپ غور وفکر کا رجحان اور لکھنے پڑھنے کا ذوق رکھتے ہیں تو محدث ہی آپ کی تشنگی کو دور کرسکتا ہے!

www.KitaboSunnat.com

CPL No. 177 Vol: 34 No: 1

MONTHLY MUHADDIS LAHORE

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں...... لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں...... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے...... لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے...... لیکن

  ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے...... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

...... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی شمارہ: ۲۰ روپے زرِسالانہ: ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
99-J, Model Town, Lahore-54700. Phones: 5866476, 5866396